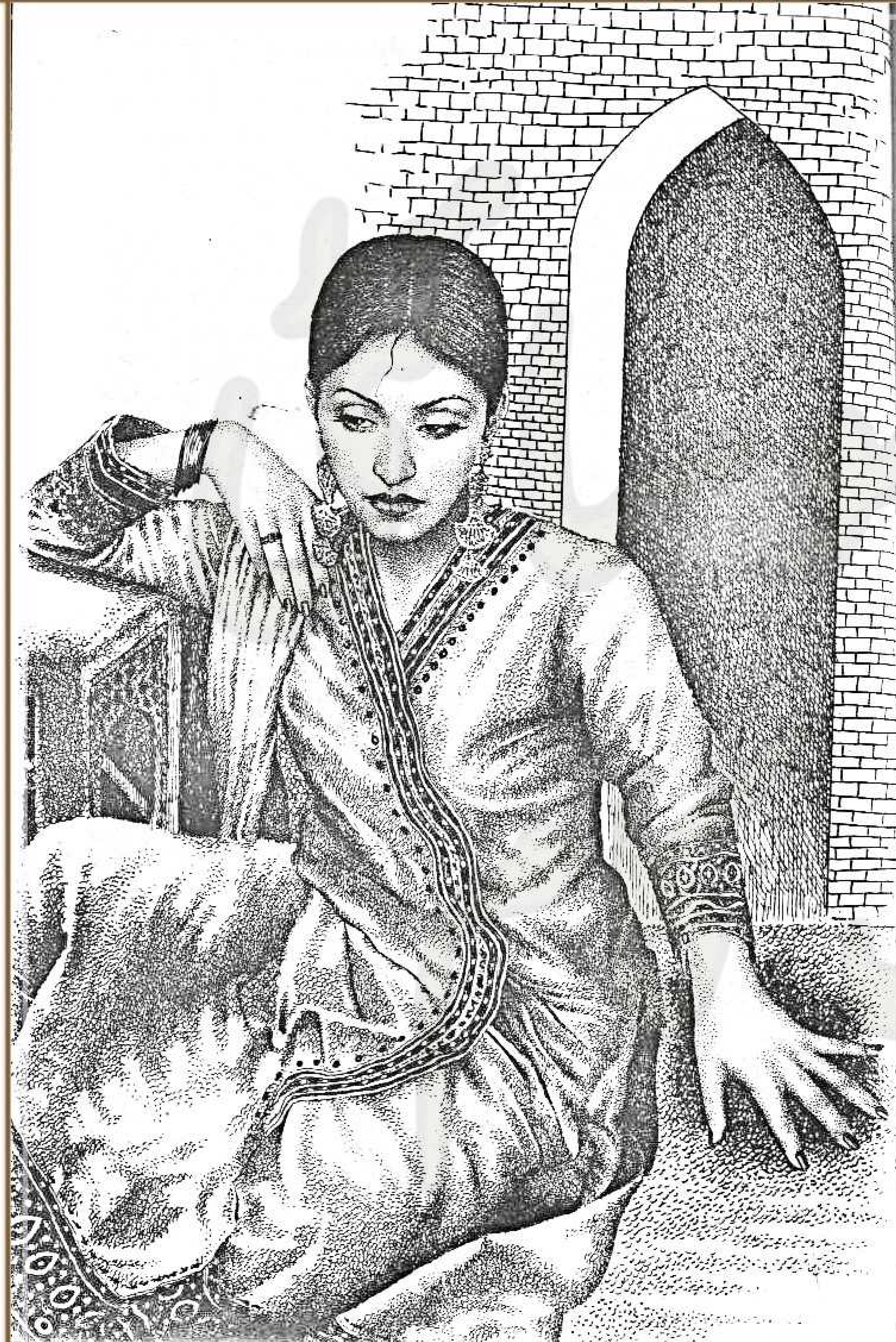
لکیروں کے اسیر

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی





لکیروں کے اسیر

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

ہاتھ کی لکیروں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی منزل کا نقشہ سامنے پھیلا ہوا ہے اور دور تک جاتی ان لکیروں کو چھوٹی چھوٹی کٹی شکستہ لکیریں اپنے جال میں الجھاتی جارہی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی سیدھے رستے کی تلاش میں بھول بھلیوں میں قید ہوجائے۔ ایسے ہی ایک روز وہ بھی کسی خوفزدہ ہرن کے مانند امیدوں کے جنگل میں تنہا بھٹکتی رہ گئی تھی، جب اچانک اس کے پیروں تلے سے زمین اور سر سے آسمان کھینچ لیا گیا تھا، گویا ساری کائنات ہی تلپٹ ہوکر رہ گئی تھی۔ کہتے ہیں محبت جتنی تقسیم ہوتی ہے اتنی ہی مضبوط بھی ہوتی جاتی ہے مگر وہ تو شاید محبت کی ضرب درضرب کا شکار ہوگیا تھا۔ ایک جابرانہ انا کے خول میں بند مرد اس سے زیادہ اور کیا کرسکتا تھا۔ تین بول نکاح کے پڑھوا کر خوابوں کی دنیا میں قید کیا اور جب حکمرانی کا جنون چڑھا تو طلاق کے تین بول سے زندان کا در وا کردیا مگر... اس وقت تک پنچھی کو اس حصار کی عادت ہوچکی تھی اس دوران وہ اپنی اونچی اڑان تک بھول گیا تھا۔ پیار کی ہلکی ہلکی بوندا باندی سے موسم نے پلٹا کھایا اور طوفان کی گھن گرج نے گھر کی ملکہ کو در کی باندی بھی نہ رہنے دیا... اللہ نے زندگی کو بہت سہل بنایا لیکن انسان کی جذباتی لغزشوں نے اسے اذیتوں کی کھائی میں دھکیل دیا۔ ایسے میں واپسی کا سفر اسے انگاروں پر چل کر طے کرنا تھا کیونکہ یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے روح کو بدن کا لباس بدلنے پر مجبور کردیا جائے۔ ایسے میں اسے روز مرنا... روز جینا تھا۔

آگہی کے دشوار گزار مرحلوں سے نبرد آزما...... محبتوں کے قافلے سے بچھڑ جانے والی حسینہ کا دلگداز ماجرا

"مجھے مت چھوڑو...... پلیز...... روبی!"

اس نے دل کی گہرائیوں سے، بڑے عمیق لہجے میں، گریہ وزاری کے سے انداز میں اس کی منت کی تھی۔ روبی نے اس کے لہجے میں بے چارگی اور التجا کو محسوس کرلیا تھا...... اور یہ بھی کہ وہ...... یعنی اس کا شوہر اسد...... اس سے دیوانہ وار اور بے انتہا محبت کرتا ہے جس کی شدت اس کے مجبور سے لہجے سے ہی نہیں آنکھوں سے بھی عیاں تھی۔ ان محسوسات سے قبل ہی...... روبی کو یقین کی حد تک علم تھا کہ اسد شادی سے پہلے ہی اس کی محبت میں مبتلا تھا پھر شادی بھی کچھ ایسے حالات میں ہوئی کہ اسد کی یہ خوشی روبی سے جدائی کے اندیشناک خوف ہی کا شکار رہی اور بالآخر وہی ہوا کہ روبی کو چھوڑنا اس کی مجبوری بن گئی اور روبی کی ضرورت...... مگر اب وہ بچوں کی طرح...... نم ناک آنکھوں میں التجا کے اشک سموئے اس سے آگے ساتھ نبھانے کی بھیک مانگ رہا تھا۔

"روبی! اِل کے بچھڑنا میرے لیے بہت اذیت ناک ہوگا۔ میں تم بن نہیں رہ پاؤں گا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ تمہارا اور میرا ملن ہوتا ہی نہیں۔ وہ میرے لیے ایک غم نارسائی تو ہوتا...... جسے بہلایا جاسکتا تھا مگر اب...... اب...... یوں...... تمہارا اِل کے بچھڑ جانا میرے لیے زیادہ کربناک ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بڑی بے تابی سے روبی کا نرم وگداز ہاتھ پکڑلیا...... روبی کو اس کے مردانہ ہاتھ کی سختی اور گرفت نے ایک لمحے کو خوف زدہ سا کردیا۔ مجبوراً اسے اپنی زبان پر سختی لانا پڑی۔ بہت دھیرے سے اس نے پہلے اپنا ہاتھ چھڑایا پھر بولی۔

"اسد! میں نے پہلے ہی تم پر ساری بات واضح کردی تھی تاکہ تم بھی ذہنی طور پر اس کے لیے تیار رہو...... پھر میں نے تم پر بھروسا بھی تو کیا تھا اسد! اور کچھ سوچ کر ہی تمہارا انتخاب کیا تھا کہ تم لائقِ اعتبار ہو اور ایک شریف مرد ثابت ہوسکتے ہو میرے لیے...... خدا کے لیے...... اپنا یہ اعتبار اور میرا یہ مان...... میرے اندر اسی طرح آباد رہنے دو...... میں تاعمر تمہاری ممنون واحسان مند رہوں گی...... مجھے اس بات پر ہمیشہ فخر رہے گا کہ تمہارے سلسلے میں میرا انتخاب...... غلط نہ تھا۔ پلیز اسد! لیومی...... ناؤ...... فار مائی سیک......"

اس کے اندر جیسے ایک چھناکے سے سب کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا تھا...... روبی کے بے رحم لفظوں نے اسے باور کرادیا تھا کہ...... اب سوچنے سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

اسے اب اپنی محبت کو، اپنی روبی کو چھوڑنا ہی تھا...... ہمیشہ کے لیے...... ایک لمحے کو اس کے دل میں سرکشی نے بھی سر ابھارا تھا...... مگر پھر...... تیشۂ محبت نے جیسے ایک ہی وار سے اس کے دلِ مجبور میں ابھرنے والی سرکش لہر کو مٹا ڈالا۔

میز پر رکھے اسٹامپ پیپر پہ قلم پڑا ہوا تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے قلم اٹھایا...... ایسے میں اس کا دل ڈوب رہا تھا...... روح تک رو رہی تھی، اس نے آخری بار ملتجیانہ نظر سامنے کھڑی روبی کے چہرے پر اس امید سے ڈالی کہ شاید وہ ایسا کرنے سے اسے روک دے...... مگر روبی کے سپاٹ چہرے نے اس کے اندر کے مایوس اندھیاروں کو مزید سوا کردیا۔ بالآخر اس نے...... روبی کو طلاق دے دی۔

☆☆☆

طلاق نامہ پرس میں ڈال کر گھر کی طرف لوٹتے ہوئے روبی کا اندر بھی اتھل پتھل کا شکار تھا۔ جہاں اسے ایک گم گشتہ تعلقِ خاطر کی دوبارہ ملنے کی خوشی تھی، وہاں اسے ایک قلق بھی ہو رہا تھا۔ اس قلق میں دکھ کا شائبہ کم ضمیر کی چبھن زیادہ تھی۔ کیا ضروری تھا کہ شعیب کو دوبارہ پانے کے لیے اسد کا ہی انتخاب کیا جاتا۔ وہ کسی اور شخص کا بھی تو انتخاب کرسکتی تھی...... جبکہ وہ جانتی بھی تھی کہ...... اسد اس سے کس قدر محبت کرتا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ اس مقصد کے لیے اسے موزوں لگا تھا اور قابلِ اعتبار بھی۔ اس نے محبت کی خاطر...... اور اپنے دل پہ جبر کرکے ایک بڑی قربانی دی تھی...... اور روبی نے...... اپنے اندر کی عورت کو اپنی عزتِ نفس کو چکنا چور کرکے ایثارِ محبت کی خاطر شعیب سے تجدیدِ تعلق کی راہ بنائی تھی جو اس کے لیے ہی نہیں ایک عورت کے لیے بھی پلِ صراط پر چلنے کے مترادف تھا...... بہ خیر و عافیت...... طلاق ملنے کی طمانیت کو ایک شرمندگی نے نگل لیا تھا...... کیا وہ کھلونا تھی؟ ایک مرد کے بعد دوسرے مرد کی جھولی میں گرادی گئی اور پھر دوبارہ پہلے مرد کی جھولی میں ڈال دی جانے والی تھی...... پہلا مرد...... یعنی شعیب بھی ایک طرح سے اس کے لیے اب تیسرا مرد ہی ثابت ہونے والا تھا۔

اس نے اپنی اندر کی چیختی چلّاتی عورت کو خاموش کرنے کے لیے یہ تاویل دینے کی کوشش کی۔ اگر وہ کھلونا بنی تھی تو...... شعیب جیسے انسان نے بھی تو کڑوا گھونٹ بھرا تھا۔ اپنی مردانہ انا اور غیرت کا ایک طرح سے اس نے بھی تو سودا کیا تھا اور دونوں ہی بہ عین ایک ہی طرح کی اذیت سے گزرے تھے۔

سوچوں میں وہ بھول ہی گئی تھی کہ...... نعمان ہائٹس کے نیچے شعیب اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اسد کا فلیٹ ساتویں فلور پر تھا۔ وہ لفٹ کے ذریعے نیچے آئی اور باؤنڈری گیٹ سے باہر سڑک کے کنارے تک ہی پہنچی تھی کہ عقب سے کار کے ہارن کی آواز پر چونکی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ کار میں شعیب تھا۔ روبی پلٹی اور اس کے برابر والی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

''کیا رہا؟'' کار آگے بڑھاتے ہوئے شعیب نے پوچھا۔ اس کے استفساریہ لہجے سے بے چینی ہویدا تھی۔ وہ چالیس، پینتالیس سال کا خوبرو مرد تھا۔ رنگ گورا تھا، مزاج کا تیکھا تھا۔ اس نے نیوی بلیو شرٹ اور سیاہ ڈریس پینٹ پہن رکھی تھی۔

''اس نے مجھے طلاق دے دی ہے۔'' روبی نے ہولے سے بتایا۔ نگاہیں ونڈ اسکرین سے پار کسی غیر مرئی نقطے پر لگی ہوئی تھیں۔

''ویری گڈ۔'' شعیب خوشی سے بولا۔ ایسے میں روبی نے ذرا گردن موڑ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ شاید وہ سمجھنا چاہتی تھی کہ آیا وہ واقعی خوش تھا؟ نظر تو یہی آرہا تھا...... مگر وہ اس کے چہرے سے ایک مرد کو بھی تلاشنا چاہ رہی تھی جس کی ہلکی سی جھلک بھی روبی کو نظر نہ آئی۔

''اس خوشی میں آج سی ویو کے قریب زبردست ڈنر کریں گے۔'' وہ ایک موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔

''آج نہیں...... پھر کبھی......'' روبی نے ٹال دیا۔ نہ جانے کیوں وہ اپنے دل و دماغ پر ایک بوجھ سا محسوس کر رہی تھی بلکہ اس کا پورا وجود ہی بوجھل سا ہو رہا تھا جبکہ شعیب پر اس کا شائبہ تک نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ تو بس خوش تھا کہ وہ اب دوبارہ اس کی ہونے والی تھی۔

شعیب ابھی اسے خود سے جدا کرنے کے موڈ میں نہ تھا مگر روبی نے اس سے یہی درخواست کی تھی کہ وہ اسے گھر پر ڈراپ کردے۔

گھر پہنچ کر ماسی نے اس کا استقبال کیا۔ وہ اس کی خالہ تھی۔ اس کی غمگسار دکھ سکھ کی ساتھی اور راز دار بھی۔ وہ ایک ادھیڑ عمر خاتون تھی۔ گھر اس کا تھا، بے اولاد تھی، شوہر کے انتقال کے بعد بس وہ تھی اور روبی۔ شوہر ایک سرکاری ادارے میں اوسط درجے کی جاب کرتے تھے، ریٹائرڈ بھی یہیں سے ہوئے تھے۔ دو کمروں کا چھوٹا سا گھر اپنا تھا، اب پنشن سے گزارہ ہوتا تھا۔

روبی گھر پہنچ کر بے اختیار ماسی سے لپٹ کر رو پڑی۔ ماسی نے بھی اسے خود سے لپٹا لیا۔ وہ اس کے ہر دکھ درد سے واقف تھی۔

''ماسی! ایک بات بتاؤ نا...... کیا یہ سب صحیح ہو رہا ہے؟ کیا...... کیا...... مجھے مردوں کی اس دنیا میں کھلونا تو نہیں بنایا جا رہا؟'' وہ بڑے دکھ بھرے رسان سے بولی۔ ماسی نے بڑی محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور سمجھانے کے انداز میں بولی۔

''ایسا مت سوچو بیٹی۔ دل پر خواہ مخواہ کا بوجھ پڑے گا۔ تمہیں کوئی کھلونا نہیں بنا رہا۔ دین نے جو راستے بنائے ہیں، وہ انسان کی بھلائی کے لیے ہیں...... اور اسی میں ان کے لیے سبق بھی ہے...... تم ایسا نہ سوچو۔ چلو اب تم نہا دھوکر فریش ہوجاؤ، میں کھانا لگاتی ہوں۔''

''نہیں ماسی! مجھے بھوک نہیں ہے، چائے پینی ہے مجھے صرف......'' روبی نے تھکی تھکی آواز سے کہا۔ ماسی نے کچن کی راہ لی۔ روبی اپنے کمرے میں آگئی۔ منہ ہاتھ دھوکر فارغ ہوئی تھی کہ اس کا سیل فون بجا۔ کال شعیب کی تھی۔ اس نے سیل کان سے لگا کر مختصراً کہا۔

''جی!''

''روبی! کیا تم خوش نہیں ہو؟''

''یہ آپ نے کیسے اندازہ لگالیا؟''

''آج تم مجھے کچھ اکھڑی اکھڑی سی نظر آرہی تھیں۔'' وہ بولا۔

''مجھ سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں کی تم نے...... کہیں تمہیں کسی بات کا پچھتاوا تو نہیں ہو رہا؟''

شعیب کی بات پر روبی نے ہونٹ بھینچ لیے...... اور ناراضی کے اظہار کے لیے خاموش رہی۔ دوسری طرف شاید شعیب کو بھی اس کا اندازہ ہوگیا۔ فوراً بولا۔

''سوری! تمہیں شاید برا لگا...... مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔''

''شعیب! تمہیں اب اپنی یہ عادت بدلنا ہوگی، اس کا ہم بہت خمیازہ بھگت چکے ہیں۔ بلکہ تم سے زیادہ مجھے بھگتنا پڑا ہے۔ تم مجھ سے اور کتنی قربانیاں چاہتے ہو...... اب تو بس ایک جان ہی رہ گئی ہے، بولو تو وہ بھی دے دوں تمہاری خاطر......''

وہ سسک پڑی تو شعیب تڑپ اٹھا اور اس انداز میں بولا۔

''روبی مائی ڈارلنگ! آئی ایم سوری...... ٹرسٹ می...... پلیز! خفا مت ہوا کرو، مجھے بھی اپنی غلطی کا احساس ہے اور اس بات کا بھی کہ تم نے میری خاطر اپنی زندگی کا کتنا کڑوا گھونٹ بھرا ہے...... مگر...... اچھا چھوڑو...... دراصل میں تمہارا دل بہلانا چاہتا تھا۔ جانتا ہوں میں کہ تم... پلِ صراط کا سفر طے کرکے آئی ہو۔ میں تمہارے سارے دکھ مٹا ڈالنا چاہتا ہوں۔'' چند ثانیے متوقف ہونے کے بعد اس نے دوبارہ پوچھا۔ ''پھر آج شام آجاؤں......؟ چل رہی ہو نا میرے ساتھ؟''

روبی نے اسے بالآخر ہاں کردی۔

☆☆☆

ایک چھوٹے سے ایشو پر بات بڑھ گئی تھی۔ حالانکہ دونوں کی محبت شادی کے بعد ہی پروان چڑھی تھی۔ میاں بیوی کے درمیان اس طرح کی پنپنے والی محبتیں عموماً دیرپا اور پائیدار ثابت ہوتی ہیں، مگر محبت کا ایک عجیب المیہ بھی ہے۔ جتنی زیادہ محبت ہوگی، اتنے ہی شکوک وشبہات کا زہر بھی پروان چڑھتا ہے۔ غلط فہمیاں بھی جنم لیتی ہیں...... اگرچہ دونوں کے درمیان ایسی کوئی بات ابھی پروان نہیں چڑھی تھی مگر شعیب مزاجاً تیز اور طبیعت کا غصہ ور آدمی تھا۔ ایسا آدمی عموماً دل و نیت کا صاف بھی ہوتا ہے۔ شعیب کا بھی غصہ وقتی ہوتا تھا۔

روبی اور شعیب کی شادی کو تین برس بیت چکے تھے۔ ایک عورت شادی کے بعد جو دوسرا خواب اپنی آنکھوں میں سجاتی ہے...... وہ ماں بننے کا ہوتا ہے۔ روبی کو اپنا یہ خواب ہنوز شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کے لیے وہ خاصی بے چین اور مضطرب رہنے لگی تھی۔ عورت جب تک ماں نہ بنے خود کو ادھورا تصور کرتی ہے۔ یہی حال روبی کا تھا۔

شعیب ایک گورنمنٹ ڈگری کالج میں کیمسٹری کا لیکچرار تھا۔ بوڑھی ماں تھی اور خود تھا۔ ترقی کرنا جانتا تھا۔ اس نے ایک کوچنگ سینٹر کی بنیاد ڈالی۔ آج وہ ایک بہت بڑا ادارہ بن چکا تھا جہاں انٹری ٹیسٹ کی تیاری بھی کروائی جاتی تھی۔ ابتدا میں دو شفٹیں ہوتی تھیں، اب تین ہونے لگی تھیں۔ روبی بھی اپنے شوہر کے کوچنگ سینٹر کو جوائن کرچکی تھی اور صبح کی شفٹ میں پڑھاتی تھی۔

شعیب کو اس سے کافی آمدنی ہونے لگی تھی اور گلشن اقبال میں اس نے ایک شاندار بنگلا لے لیا تھا۔

وہ روبی سے... بہت محبت کرتا تھا۔ دونوں بہ ظاہر ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے مگر روبی کے اندر ایک خلا آباد رہتا تھا۔ کوچنگ سینٹر میں مرد عورتیں دونوں ہی بھرتی کیے ہوئے تھے۔ نویں جماعت سے انٹر تک کے لڑکے لڑکیاں

پڑھتے تھے، سینٹر میں فاخرہ بھی صبح کی شفٹ میں پڑھاتی تھی۔ وہ مطلقہ تھی اور ایک سالہ بیٹی کی ماں بھی تھی۔ روبی کی ہم عمر تھی۔ روبی جیسی حسن و دلکشی کی مالک تو نہ تھی تاہم ایک خاص قسم کی کشش رکھتی تھی، باتونی تھی اور گفتگو کے فن سے آشنا تھی، روبی سے اس کی دوستی ہوگئی تھی۔

وہ گلستان جوہر کے ایک فلیٹ میں رہتی تھی۔ صبح سینٹر آجاتی تھی، بیٹی کو سنبھالنے اور گھر کے دیگر کاموں کے لیے ایک میڈ رکھی ہوئی تھی۔

''ارے یار! تم اپنا اور شعیب صاحب کا میڈیکل چیک اپ کیوں نہیں کروالیتیں؟''

اس روز تھوڑی دیر کے لیے دونوں اسٹاف روم میں ساتھ تھیں اور چائے پی رہی تھیں تو فاخرہ نے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ دونوں گہری سہیلیاں بن چکی تھیں مگر روبی نے کبھی اس سے اس موضوع کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ کچھ روز پہلے فاخرہ نے خود ہی یہ موضوع چھیڑ دیا تھا۔

''شعیب صاحب اور تمہاری شادی کو تین سال گزر چکے مگر......''

''ہاں...... جب اللہ کی مرضی ہو۔'' روبی نے اس وقت اپنی سہیلی کو روایتی سا جواب دینے کی کوشش کی۔

''اللہ کی مرضی تو ہوتی ہی ہے مگر بندے کو بھی تو کچھ ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں نا۔''

''کیا مطلب؟''

''ارے بھئی ان چیزوں کا بھی علاج ممکن ہوتا ہے۔ تم دونوں کسی میڈیکل کنسلٹنٹ سے کیوں نہیں رجوع کرتے؟ اپنا اور شعیب کا پہلے میڈیکل چیک اپ تو کرواؤ...... آخر پتا تو چلے...... خرابی کس میں ہے۔ تم میں یا...... تمہارے شوہر میں...... اس کے بعد علاج شروع کرو۔''

وقت تھوڑا تھا۔ سرکاری ادارہ تو تھا نہیں کہ گھنٹوں بیٹھ کر گپیں ہانکی جاتیں، اگلے پیریڈ کی بیل بجی اور دونوں اسٹاف روم سے نکل کر اپنی اپنی کلاس لینے نکل گئیں۔

روبی کو فاخرہ کی بات دل کو لگی تھی۔ اس رات اس نے شعیب سے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

''ارے بھئی اتنی فکر کی کیا بات ہے، شادی کو ابھی دو تین سال ہی تو ہوئے ہیں۔ میں نے تو آٹھ، آٹھ سال بعد بھی بچوں کی قطاریں لگتے دیکھی ہیں۔'' وہ مسکرایا۔ روبی منہ پھلا کر بولی۔

''دو نہیں پورے تین سال ہو چکے ہیں ہماری شادی کو...... اور یہ جو آپ آٹھ سال والی مثال دے رہے ہو نا، ایسا بہت کم ہوتا ہے اور اگر ہوتا بھی ہے تو...... صرف ایک...... اس کے بعد کبھی نہیں ہوتا اور اگر ہم بھی اسی طرح لیٹ کرتے رہیں گے تو یہ مناسب نہ ہوگا۔ ہمیں کنسلٹ کرنا پڑے گا۔''

''کیا مطلب؟'' شعیب ایک دم سنجیدہ ہوگیا، وہ بولی۔

''ہمیں اپنا چیک اپ کرانا ہوگا۔''

''پھر......؟'' شعیب نے گھورنے کے انداز میں روبی کی طرف دیکھا۔ روبی کو احساس ہوا کہ شعیب کا حسبِ عادت پارا چڑھنے والا ہے مگر اس نے اپنی بات پوری ہی کرنے کی ٹھانی تھی۔ بولی۔

''پھر کیا...... پتا تو چلے ہم دونوں میں سے خرابی کس میں ہے؟''

''اوہ...... خرابی......'' شعیب تلخ ہونے لگا۔ زہریلے لہجے میں بولا۔ ''تو گویا روبینہ بیگم یہ چاہتی ہیں کہ...... اگر خرابی مجھ میں ہے تو تم خود کو مجھ سے افضل سمجھو...... اور مجھے طنز کا نشانہ بناتی رہو۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ خدانخواستہ میں بھلا ایسا کیوں سمجھوں گی۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اگر ہم دونوں میں سے کسی میں اگر کوئی نقص ہے تو اس کا علاج......''

''ناؤ یو شٹ اپ......'' وہ بھڑک کر بولا۔ ''یہ فضول بکواس ہے...... یہ صرف اوپر والے کی دین ہوتی ہے، علاج معالجے سے کچھ نہیں ہوتا...... اب سو جاؤ...... اور مجھے بھی سونے دو......'' یہ کہہ کر وہ غصے سے کروٹ بدل کر سو گیا۔ روبی اپنے ہونٹ کاٹتی رہ گئی۔

☆☆☆

انسان کے اندر کوئی دکھ ہو تو وہ...... چاہتا ہے اپنا دکھ...... اپنی الجھن کسی کے ساتھ شیئر کرے۔ لہٰذا وہ اپنی سہیلی فاخرہ کے ساتھ ہی اپنا دکھ شیئر کر لیا کرتی تھی۔ اس نے رات والی گفتگو اور شعیب کی ناراضگی والی بات سے اسے آگاہ کیا تو فاخرہ تنک کر بولی۔

''لو بھلا...... اس میں ناراض ہونے والی کیا بات تھی۔ زمانہ بدل چکا ہے۔ میڈیکل کے شعبے میں آئے روز جدید ریسرچ ہوتی رہتی ہیں، نت نئے علاج دریافت ہونے لگے ہیں۔ بے اولادی بھی ایک میڈیکل پرابلم ہے جس کو مناسب توجہ اور علاج سے دور کیا جاسکتا ہے...... بیوی جائز اسلامی طریقے سے ماں بن سکتی ہے۔''

''مگر یہ بات شعیب کو کون سمجھائے، انہوں نے تو میڈیکل چیک اپ کو ہی اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔'' روبی نے کہا۔

''معاف کرنا یار! اب مجھے یہ کہنے دو کہ تمہارے شوہر اگرچہ میرے بھی باس ہیں مگر...... کہنا پڑتا ہے کہ اتنے پڑھے لکھے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ان کی سوچ......''

فاخرہ کی بات ادھوری رہ گئی، اچانک اسٹاف روم کے دروازے سے کوئی ہولے سے کھنکھارتا ہوا اندر داخل ہوا۔ درمیانہ قد، خوش شکل، گندمی رنگ اور خاموش طبع...... وہ شخص معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

''معاف کیجیے گا، میں مخل تو نہیں ہوا؟''

فاخرہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور حسبِ عادت شوخی سے بولی۔ ''آجائیے...... آجائیے...... ہم بھی یہاں مخول ہی کر رہے تھے۔'' پھر روبی کی طرف دیکھتے ہوئے...... نووارد کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ہمارے نئے کولیگ مسٹر اسد ہیں۔ انگلش میں ماسٹر ہیں اور ظاہر ہے یہاں انگلش پڑھاتے بھی ہیں۔'' اسد نے روبی کی طرف دیکھ کر اپنے سر کو ہلکا سا خم کر کے سلام کیا پھر سامنے والے صوفے پر براجمان ہوگیا۔

''ان سے ملیے......'' فاخرہ نے اس کی طرف دیکھ کر روبی کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

''آپ یہاں کی کرتا دھرتا...... یعنی ہمارے باس شعیب صدیقی صاحب کی بیگم روبینہ صاحبہ ہیں۔ شوہر کا سینٹر ہونے کے باوجود اپنی تنخواہ پوری لیتی ہیں، نہ کم نہ زیادہ۔'' اس کے تعارف کے انداز نے اسد اور روبی دونوں کو بے اختیار مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

اسی وقت بیل بج گئی۔ فاخرہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''ہم تو چلے آخری پیریڈ لینے...... اجازت دیجیے۔'' وہ چلی گئی۔ روم میں اب صرف اسد اور روبی رہ گئے۔ روبی آخر کے ایک گھنٹے میں ایڈمنسٹریشن بلاک میں چلی جاتی تھی اور معاملات کی نگرانی کیا کرتی تھی۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر...... میں نے تین روز پہلے ہی آپ کا کوچنگ سینٹر جوائن کیا ہے۔'' اسد نے اس کی طرف دیکھ کر ہولے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی اتفاق سے میں تین روز سے چھٹی پر تھی۔ آج ہی آئی ہوں......'' روبی نے جواباً کہا پھر دانستہ رسٹ واچ میں وقت دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''معاف کیجیے گا۔'' کہہ کر وہ اسٹاف روم سے باہر نکل گئی۔ اسد کچھ سوچتا رہ گیا...... وہ خود کو پل کے پل ایک ان دیکھے حصار میں محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کی ایک وجہ تھی...... بڑی ٹھوس وجہ...... وہ یہ کہ روبینہ کی صورت میں اسے شناسائی کی ایک جھلک سی نظر آئی تھی۔ روبی کے جانے کے بعد وہ اس لیے سوچ میں پڑ گیا...... وہ چہرہ جو برسوں پہلے اس کے دل کے نہاں گوشوں کی گونج بنا رہا تھا، آج یوں اچانک سامنے آیا بھی تو کس طرح...... روبی نے اسے نہیں پہچانا تھا؟ یا پھر...... وہ دانستہ گریز کر گئی تھی؟

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور کلاس روم کی طرف جانے لگا۔ یہ دو منزلہ کوچنگ اینڈ اسکول سسٹم تھا۔ صبح میں اسکول اور شام میں کوچنگ کی کلاسز ہوتی تھیں۔ ابھی بیس منٹ کا بریک ہوا تھا۔ اسد نے اٹھ کر اس کوریڈور کا رخ کیا، جدھر ایڈمن کے کمرے بنے ہوئے تھے اور...... اپنے مطلوبہ کمرے کے سامنے پہنچ کر رکا اور نیم پلیٹ پر نظر ڈالی جس پر مسز روبینہ شعیب لکھا تھا...... ایڈمن کے امتیازی صاحب نے جوائننگ کے وقت اسد سے کہا تھا کہ وہ مسز روبینہ شعیب سے اپنا ایمپلائی کارڈ بنوا لیں تاکہ تنخواہ کے حصول میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ کارڈ لینا ضروری تھا۔ وہ چھٹی پر تھیں، آج آئیں تو اسد نے ادھر کا رخ کیا تھا۔ مگر اس بار صرف کارڈ کا حصول نہیں، حصولِ تمنا بھی شامل تھی۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سامنے ہی بڑی سی میز کے پیچھے ایک کرسی پر روبینہ میز پر پھیلے کچھ کاغذات کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ دروازے پر کھڑے کھڑے کئی پل اسے روبینہ کے جھکے ہوئے چہرے کو تکتے ہوئے گزر گئے۔ پھر شاید روبینہ کو خود ہی دروازے پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور اس نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو اسد گھبرا سا گیا۔

''آپ......؟''

روبینہ نے گہری سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو اسد نے اپنی چوری گھبراہٹ پر فوراً قابو پاتے ہوئے بات بنائی۔ ''دراصل میں سوچ رہا تھا، آپ مصروف ہیں، کل سہی...... لل...... لیکن......''

''کوئی کام تھا؟'' روبینہ نے سپاٹ سے لہجے میں پوچھا۔

وہی آواز...... وہی لیے دیے رہنے والا لہجہ...... جس سے ہمیشہ اسد کی ہمت جواب دینے لگتی تھی مگر آج اسے ہمت تو کرنا ہی تھی کیونکہ آمدم برسر مطلب تو بتانا ہی تھا، لہٰذا جھینپی جھینپی مسکراہٹ چہرے پر لیے وہ چند قدم اندر آتے ہوئے بولا۔

''وہ...... امتیازی صاحب نے کہا تھا کہ میں آپ سے اپنا ایمپلائی کارڈ لے لوں...... آپ تین دن سے چھٹی پر تھیں، آج......''

''آیئے تشریف لایئے۔'' روبینہ نے فوراً کہا۔ اسد

اندر آگیا۔ روبینہ نے اسے اپنے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ شکریہ کہہ کر بیٹھ گیا۔ ''آپ کا پورا نام اسد شیرازی ہے نا......؟'' روبینہ نے کہتے ہوئے اپنے الٹے ہاتھ کی دراز کھولی تو اسد کے ذہن میں جھما کا ہوا۔

''دراصل یہاں اسد نام کے تین اور بھی ٹیوٹر ہیں۔ امتیازی صاحب نے مجھے آپ کے بارے میں ابھی تھوڑی دیر پہلے آکر بتایا ہے۔''

روبینہ نے یہ کہہ کر گویا اسد کی خوش فہمی رفع کر ڈالی...... ورنہ وہ تو یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ وہ بھی اسے پرانے کالج فیلو کے حوالے سے پہچان گئی ہے۔ دس، بارہ سال کا عرصہ کم تو نہیں ہوتا مگر بہرحال شبیہات تو اتنی جلدی نہیں بدلا کرتیں۔ ہاں! تھوڑی بہت صورت میں تبدیلی ضرور آجاتی ہے۔ مگر اسد کو روبینہ اب بھی بالکل ویسی ہی نظر آرہی تھی، ویسے ہی ہلکے گندھے ہوئے بال...... وہی شہابی رنگت چہرہ اور نرم وگداز گورے ہاتھ...... مگر آنکھیں...... ہاں...... البتہ گہری کشادہ آنکھوں میں ایک بے نام سی اداسی کی شام ٹھہری ہوئی ضرور محسوس ہوئی تھی۔

''آپ کی فائل میں نے نکال لی ہے۔ دستخط کرکے امتیازی صاحب کو بھجوا دیتی ہوں، وہ کمپیوٹر سے کارڈ بنوا کر آپ کو دے دیں گے۔ مگر کارڈ میں شعیب صاحب کے دستخط ہونا ضروری ہوں گے، اس لیے کارڈ آپ دو دن بعد ہی لے لیجیے گا۔'' روبینہ نے کہا۔

اسد نے ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ سوچتی نظروں سے روبی کے چہرے کو تکتا رہ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے کچھ پوچھے...... کچھ پرانے حوالوں سے...... مگر ہمیشہ کی طرح وہ اس معاملے میں بودا اور کم ہمت ہی نکلا...... اس دوران روبی نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا۔ اسے اپنی طرف... دیکھتا پاکر وہ بولی۔

''اور کچھ پوچھنا ہے آپ کو......؟'' مطلب صاف تھا کہ اب جائیے بھی۔

''نن...... نہیں...... شش...... شکریہ......'' اسد نے کہا اور یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر تیزی کے ساتھ واپس مڑ گیا۔

روبینہ کے چہرے پر پہلی بار ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ پھر وہ ہولے سے اپنا سر جھٹک کر بولی۔ ''عجیب ہی آدمی ہے، ابھی تک نہیں بدلا......'' اسد نے آخری پیریڈ لیا اور کوچنگ سینٹر سے باہر آگیا۔ پارکنگ میں اس کی سفید رنگ کی سیکنڈ ہینڈ مہران کار کھڑی تھی۔ وہ اس میں سوار ہوا اور روانہ ہوگیا۔

وہ گلشن اقبال میں رہتا تھا۔ جہاں دو اور تین کمروں کے لگژری اپارٹمنٹ حال ہی میں تعمیر ہوئے تھے۔ کسی زمانے میں اس نے ایک بک کروالیا تھا اور اب پچھلے چند ماہ پہلے ہی اسے قبضہ ملا تھا۔ اس سے پہلے وہ موسمیات کے قریب ایک تنگ وتاریک کرائے کے فلیٹ میں رہتا تھا۔ اس کا آبائی شہر سکھر تھا۔ ماں باپ کے انتقال کے بعد اس کی پرورش اس کے تایا نے کی تھی۔ کیوں کی تھی؟ اس کا عقدہ ان کی بڑی بیٹی صبا کے جوان ہونے پر ہی کھلا...... اسد ابھی شادی وغیرہ کے بکھیڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ وہ تعلیم مکمل کرنے کا بہانہ بنا کر شادی کو ٹالتا رہا۔ پھر جب تایا کی پہلی بڑی بیٹی رخصت ہوئی تو دوسری جوان ہوگئی۔ ایک بار پھر ندا کی صورت میں اس کے سر پر تلوار لٹکنے لگی۔ بڑی مشکل سے اسد نے اسے بھی ٹال دیا تو چھوٹی کے رخصت ہوتے ہی تایا نے اسد کو بھی ٹال دیا یعنی نکال دیا۔

اسد...... بی ایس سی کر چکا تھا۔ تایا کی نظریں بدلتے ہی اس نے اپنا مختصر سا بوریا بستر سمیٹا اور کراچی آگیا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ تعلیمی اور بعض کاروباری حوالوں سے کراچی بڑا زرخیز شہر ہے۔

سکھر میں رہتے ہوئے اسد پہلے ہی سے کراچی شفٹ ہونے کی داغ بیل ڈال چکا تھا۔ سکھر سے ہی تعلق رکھنے والے اس کے دو دوست کراچی میں کرائے کا فلیٹ لے کر وہاں رہتے تھے، وہ بھی ان میں شامل ہوگیا۔

وہیں اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا...... شام میں ٹیوشنز پڑھایا کرتا تھا۔

اس دوران میں اس کی دلچسپی...... بلکہ دلی وابستگی روبینہ شمس سے ہونے لگی جو اب روبینہ شعیب تھی۔ اسد اپنی طبیعت میں ایک عجیب فطرت رکھتا تھا۔ وہ بہت خاموش طبع واقع ہوا تھا۔ کسی سے بات کرتے ہوئے بھی جھجکتا تھا۔ شاید اس کی وجہ اس کا بے رنگ ماضی تھا کہ اس نے شروع ہی سے خود کو اکیلا اور دوسروں کے درپے پایا تھا۔ نو دس سال کیا عمر ہوتی ہے۔ جب اس کے ماں باپ جاں بحق ہوگئے تھے۔ اوسط درجے سے بھی نچلی سطح کی زندگی تھی ان کی......

البتہ تایا رشید نسبتاً کچھ بہتر معاشی پوزیشن میں تھے۔ ریلوے میں ان کی ملازمت تھی۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا جو سب سے چھوٹا تھا۔ اس لیے انہوں نے اسد کو بھی کچھ سوچ کر سنبھال لیا تھا۔

اسد کو روبی اچھی لگتی تھی۔ ایسے چپ چپ رہنے والے لوگ نفسیات کی رو سے اندر سے بہت طاقت ور

جذبے کے مالک ہوتے ہیں۔ مگر اس کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ کم ہمت تھا اور اس نے سن رکھا تھا کہ محبت میں کم ہمتی، ہمیشہ شکست سے دوچار کرتی ہے...... کئی ایک مواقع اسے ملے تھے، روبی سے بات کرنے اور اس سے مخاطب ہونے کے لیے...... مگر وہ ہمت ہی نہ کرسکا...... ہاں! ایک بار نہ جانے کس طرح یونیورسٹی کی کینٹین میں...... اتفاقاً ہی دونوں کا دوبدو ٹکراؤ ہوگیا۔

اس دن اسد کی صبح دیر سے آنکھ کھلی تھی۔ یونیورسٹی جانا بھی ضروری تھا۔ ایک اہم اسائنمنٹ تھا۔ وہ جلدی جلدی تیار ہونے لگا، مگر ناشتا... نہ کرسکا...... ورنہ یونیورسٹی کا پوائنٹ نکل جاتا اور پھر اسے دو بسوں میں دھکے کھانے پڑتے۔ لیٹ بھی ہوجاتا...... لہٰذا اس نے چائے بھی نہ پی اور یونیورسٹی پہنچ گیا۔

ایک کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد اسے بھوک محسوس ہوئی اور اس نے سیدھا کینٹین کا رخ کیا۔ وہاں آج غیر معمولی رش تھا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی طرح سب ہی آج ناشتا نہیں کرکے آئے۔ وہ مایوس ہوکر لوٹنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک ایک کونے والی میز کی دو کرسیاں خالی ہوگئیں۔ وہ کاؤنٹر سے دو سموسے اور چائے کا کپ لیے سیدھا اس سمت بڑھا۔

ابھی اسے وہاں بیٹھے ذرا ہی دیر گزری تھی کہ ایک رس گھولتی مترنم آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''ہیلو......! آپ کے ساتھ یہاں کوئی اور تو نہیں؟''

اس نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا پھر جیسے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ وہ یکدم نروس سا ہوگیا۔ اسی لہجے میں بولا۔ ''نن...... نہیں...... آپ بیٹھیے......''

وہ روبی تھی، اس نے بھی پلاسٹک کی پلیٹ اور چائے کا مگ تھام رکھا تھا۔ ہولے سے ''تھینکس'' کہتی ہوئی وہ اس کے قریب، سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کی حالت غیر سی ہونے لگی۔ اسے اپنی اس کیفیت پر غصہ بھی بہت آتا تھا۔ روبی غیر محسوس مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اسد نے بھی چور نظر اس کے ملیح چہرے پر ڈالی۔ اسے روبی کے قریب سے ہمیشہ ایک مخصوص اور مسحور کن سی مہک آتی محسوس ہوتی تھی...... روبی کی نازک اندام شخصیت کا سحر اسے پھر بے خود سا کرنے لگا...... پل کے پل جیسے وہ گردشِ دوراں سے بے خبر ہوگیا۔ سب کچھ جیسے تھم سا گیا، کینٹین کا غیر معمولی شور بھی جانے کسی احساس تلے دب چکا تھا۔

''آج تو یہاں غیر معمولی رش دیکھنے میں آرہا ہے......'' روبی نے گفتگو کی ابتدا کرنا چاہی۔

اسد چونکا۔ اسے اپنا منہ خشک ہوتا محسوس ہوا، بڑی مشکل سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

''جج...... جی......؟ جی ہاں! آج واقعی بہت لوگ ہیں یہاں......''

روبی کے عنابی لبوں پر پھر دل آویز سی مسکراہٹ چمکی۔ اس نے فقط ایک رمزیہ بولتی نگاہ...... اسد کے لرزاں چہرے پر ڈالی اور اسد کی بھی نظر اس پر پڑی تھی...... اسے...... روبی کے ساتھ اس قدر پاس...... بیٹھے ہوئے بہت اچھا لگ رہا تھا اس کا اندر چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا...... یہی موقع ہے...... اس سے بات کرو، گھلو ملو...... جان پہچان کرو...... ارے اسد میاں......! یہ یونیورسٹی ہے، جھجک کیسی؟...... اپنے فیلوز سے تو انسان بات کرتا ہے۔

اس کی ہمت کچھ سوا ہوئی۔ اس نے روبی سے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ...... وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور مسکراتے ہوئے بولی۔

''تھینکس فار جوائننگ...... بائے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ چلی گئی اور اسد اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے جاتے ہی، ایکا ایکی سب کچھ پھیکا پھیکا سا محسوس ہونے لگا...... کینٹین میں باتوں کا شور اسے اب سخت ناگوار گزرنے لگا۔ اسے سخت پچھتاوا ہونے لگا...... ایک بار پھر اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ ''جاؤ میاں!...... تم کیا عشق کروگے۔ تمہارے منہ سے آواز تک نہیں نکل پاتی۔''

اس روز اس کا یونیورسٹی میں دل ہی نہ لگا...... یونیورسٹی سے گھر تک وہ خود کو کوستا ہی رہا۔

اسد سادہ فطرت کا صاف دل آدمی تھا۔ روبی کی صورت اس کے دل ودماغ میں رچ بس گئی تھی۔ اس نے خود کو تسلی دی۔ ''روبی کون سا بھاگی جارہی ہے۔ ایسے مواقع ملتے رہیں گے، اب کے اس سے گھلنے ملنے کی کوشش ضرور کروں گا۔'' اس نے پختہ عزم کیا اور خود کو مطمئن بھی۔

☆☆☆

کبھی انسان وقت کو گزارتا ہے۔ کبھی وقت انسان کو۔ اسد نے بھی بس وقت ہی کو گزارا۔ اب پتا نہیں وہ عشق ومحبت کے معاملے میں سنجیدہ بھی تھا یا نہیں...... بس وہ روبی کو دیکھنے دیکھنے میں ہی کام چلاتا رہا۔ اس آس کے ساتھ کہ ایک دن پھر خود ہی اسے تقدیر روبی کے قریب ہونے کا موقع دے گی...... اور ایسا ہوتا بھی رہا...... مگر اسد کے اس

خاموش ''رومانس'' پر اس کی عجیب گومگو طبیعت کا غلبہ ہی سوار رہا۔ حتیٰ کہ یونیورسٹی کا یہ یادگار دور بھی تمام ہوا اور عملی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔

☆☆☆

گویا اسی ''فسانۂ جتلا'' میں اسد نے بارہ سال گزار دیے۔ آج وہ اپنے دو کمروں کے اپارٹمنٹ میں موجود ان پرانی یادوں کے حوالے سے آہیں بھر رہا تھا۔ مختلف جگہوں پر نوکریاں بھی کرتا رہا تھا، طبیعت میں عجیب بے سکونی تو ابتدا سے ہی شامل تھی، تنہائی پن نے اسے مزید بڑھا دیا تھا۔ پھر ایک قریبی دوست کے مشورے اور اس کی مدد سے اس نے شادی بھی کرلی۔ نگہت نک سک سے تو اچھی تھی مگر تھی بہت کمزور۔ وہ اس کے دوست مذکور کی بیوی کی سہیلی تھی...... یہ شادی بہ مشکل ایک سال چلی اور زچگی کے دوران پیچیدگی کے باعث زچہ بچہ دونوں چل بسے...... اس کے اندر کا خلا مزید بڑھ گیا...... وہ پہلے ہی خاموش طبع تھا، اب تنہائی پسند بھی ہوگیا تھا۔

مزید کچھ عرصہ بیتا تو اس نے قریب کا ایک کوچنگ سینٹر جوائن کرلیا۔ وقت گزاری کے لیے وہ یہاں ڈبل شفٹ کرنا چاہتا تھا یعنی مارننگ ایوننگ مگر سرِدست اسے مارننگ ہی میں ڈیوٹی جوائن کرنے کا آرڈر ملا تھا۔ قریب تھا، آنے جانے میں آسانی تھی۔ اسد کو یہ جاب اچھی لگی...... مگر آج روبی کو وہاں دیکھ کر جیسے اس کی سوچوں اور خیالوں کے ٹھہرے ہوئے تالاب میں کسی نے کنکر اچھال دیا اور اس سے پیدا ہونے والے حصار میں وہ قید ہوکے رہ گیا۔

ایک بار پھر وہ خود کو موسمِ ہجراں کے گم گشتہ جنگل میں ننگے پاؤں چلتا ہوا محسوس کرنے لگا۔ دل کے کسی گوشۂ نہاں میں دبی دبی وہ شبیہہ...... یادوں کے فریم میں آن سجی تھی جس پر وقت نے گرد تو ڈال دی تھی مگر اسے مٹا نہ پایا تھا۔

اس روز روبی سے بالکل غیر متوقع اور اچانک سامنا ہونے کے بعد سے اسد کے اندر پھر سے ایک اتھل پتھل مچ گئی تھی۔ تقدیر کیا چاہتی تھی؟ روبی کا اس سے دوبارہ سامنا کیوں ہوا تھا؟ اس میں کیا رمز تھا؟ قسمت کا کھیل یا پھر قسمت اس کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ دال میں کچھ کالا تھا...... کچھ ہونے والا تھا مگر کیا......؟

☆☆☆

فاخرہ کی باتیں تلخ ضرور تھیں مگر وہ روبی کے دل کو لگی تھیں اور ایسی لگیں کہ اس کے اندر پہلی بار ایک سرکشی نے سر ابھارا۔ تمرد اور احساسِ محرومی کی کیفیات میں انسان جو سوچتا ہے، وہ کر بھی گزرتا ہے...... روبی نے بھی اس روز شعیب سے کہہ ڈالا۔ ''میں...... کم از کم اپنا چیک اپ ضرور کرواؤں گی اور گائنا کولوجسٹ سے مشورہ بھی لوں گی۔''

شعیب کا چہرہ بگڑ گیا...... وہ گھورتی نظروں سے روبی کی طرف دیکھ کر درشت لہجے میں بولا۔ ''یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم۔ کیا تم خود کو اس معاملے میں کلیئر کرنا چاہ رہی ہو...... کیا جتانا چاہتی ہو مجھ پر...... اپنی برتری......''

''یہ بات نہیں شبی......!'' روبی نے اسے سمجھانا چاہا۔ ''میں چاہتی ہوں اگر ہم دونوں میں کوئی میڈیکل نقص ہے تو اس کا علاج کروایا جائے، ہمیں دقیانوسی سوچوں سے نکلنا ہوگا۔ ہم پڑھے لکھے اور سمجھ دار......''

''شٹ اپ۔'' شعیب آپے سے باہر ہونے لگا۔ ''تم مجھے دقیانوسی کہہ رہی ہو؟ شرم کرو شوہر سے اس طرح کی گفتگو کرتی ہو۔''

''مجھے سمجھ میں نہیں آتا، آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟ آپ کیوں اتنا تپی ہو رہے ہیں...... یہ بے اولاد جوڑے کا ایک پرابلم ہے اور اس کا علاج کرانا ہم دونوں کا حق ہے اور فرض بھی۔'' روبی کو بھی غصہ آنے لگا تھا۔

شعیب نے طیش آمیز نظروں سے روبی کو گھورا اور نہایت غضب ناک انداز میں چند قدم تیزی کے ساتھ یوں اس کے قریب آیا جیسے اس پر ہاتھ اٹھانے کا ارادہ رکھتا ہو...... دہاڑنے کے انداز میں ایک ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''روبینہ بیگم!...... میں اس موضوع کو ختم کرنا چاہتا ہوں...... اور کان کھول کر سن لو...... آئندہ دوبارہ تم نے اس فضول بحث کو چھیڑا...... تو...... تو...... مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ سمجھیں تم؟'' وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا اور روبی کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی۔

☆☆☆

''شعیب کا مسئلہ مجھے سمجھ میں آرہا ہے۔''

فاخرہ نے اپنے پرس سے سونف سپاری نکالتے ہوئے سامنے رنجوری بیٹھی...... روبی سے کہا اور دانت کی مدد سے تھیلی کاٹ کر اس کی جانب بڑھائی۔ روبی نے اپنی ہتھیلی بڑھا دی۔ فاخرہ نے سپاری اس کی ہتھیلی پر تھوڑی چھڑکی اور پھر باقی خود پھانک کر بولی۔

''دیکھو...... ایک بات تو طبی نقطۂ نگاہ سے بھی درست ہے...... اس طرح کے مسئلے میں مرد کی انوالومنٹ زیادہ ہوتی ہے۔ یہ حقیقت طے شدہ ہے اور مجھے اچھی طرح معلوم بھی ہے۔'' اس کی بات پر روبی نے قدرے غور کرنے

والے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''آف کورس......'' فاخرہ اس کی مستفسرانہ نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی۔

''اس طرح کے کیسز میں زیادہ نقص مرد میں ہی پایا جاتا ہے۔ اب میں تمہیں کیا تفصیل بتاؤں...... میری ایک بڑی ماہر گائنا کولوجسٹ سے اچھی جان پہچان ہے۔ کہو تو میں تمہیں مشورے کے لیے اس کے پاس لے چلوں......؟''

اس کی بات سن کر روبی نے بڑے کڑے دل سے کہا۔ ''چاہتی تو میں بھی یہی ہوں، مگر شعیب بالکل بھی نہیں مانتے...... پہلے ہی وہ اس بات پر بری طرح بگڑے رہتے ہیں مجھ پر......''

فاخرہ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ عود کر آئی، بولی۔ ''اس لیے تو کہہ رہی ہوں میں کہ میں شعیب کا مسئلہ سمجھ رہی ہوں...... وہ اس لیے یہ سب نہیں چاہتے کہ انہیں بھی اس حقیقت کا علم ہوگا...... کہ اس معاملے میں زیادہ نقص کا ذمے دار مرد ہی ہوتا ہے۔''

تھوڑے توقف سے وہ بولی۔ ''تم ایک کام کرو نا...... کل میرے ساتھ چلی چلو...... دیکھ لینا پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔''

فاخرہ کا واضح طور پر انداز اسے اکسانے جیسا تھا...... فاخرہ کی اپنی گزشتہ زندگی اپنے شوہر سے خاصی منہ چڑھی گزری تھی، جو بالآخر طلاق پر منتج ہوئی...... یہ بات طے شدہ ہے، مرد کی عورت پر حاکمیت ہوتی ہے مگر اس حاکمیت کا مطلب بیوی پر بے جا حکم ٹھونسنا نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ بیوی، بچے اور گھر کی دیکھ بھال...... سب اس کی ذمے داری اور فرض ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ قدرتی طور پر بھی مرد کے خمیر میں حاکمیت کا جذبہ بھرا ہوتا ہے۔ اس میں اللہ نے ایک مصلحت رکھی ہے۔ جس میں پورے خاندان کی بھلائی و بقا ہے...... پھر شوہر تو مجازی خدا ہے۔ مرد سب کچھ برداشت کرلیتا ہے مگر حکم عدولی برداشت نہیں کرتا۔

فاخرہ باوجود اس کے...... کہ روبی کا شوہر اس کا پاس بھی ہے، اسے بہ دستور اس کے منافی اکساتی رہی۔ حتیٰ کہ اسے اس بات پر مائل کر کے ہی چھوڑا۔ وہ اسے ایک دن مذکورہ لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے گئی...... اس نے روبی کا معائنہ بھی کیا اور کچھ ضروری ٹیسٹ بھی کروائے...... جو سب اتفاق سے نارمل ہی ثابت ہوئے۔

فاخرہ کو پھر بولنے کا موقع مل گیا۔

''دیکھا؟ میں نہ کہتی تھی، شعیب میں ہی اس صلاحیت کی کمی ہے۔'' روبی کے دل کو یہ بات لگی تھی، تاہم اس کے ساتھ مذکورہ لیڈی ڈاکٹر نے روبی سے ازراہِ تشفی یہ بھی کہا تھا کہ...... اگر ایسا ہے بھی تو آپ کے شوہر کا علاج ممکن ہے، بشرطیکہ وہ اپنا میڈیکل چیک اپ بھی کرانے پر رضامند ہوجائیں اور سنجیدگی کے ساتھ اس پر عمل بھی کریں۔'' شکر کرو...... اس میں کہ Pathology نہیں ہے، کوئی پیتھوڈک کنڈیشن نہیں ہے۔'' ڈاکٹر کی اس بات سے روبی کو بہت حوصلہ ملا تھا۔ وہ بڑی پرامید تھی اور خوش بھی...... مگر شعیب کے رویے کو یاد کرتی تو اس کا دل بجھ سا جاتا۔ اسے اس بات کا ڈر بھی ہونے لگا کہ...... اس نے یہ سب شوہر کی مرضی کے بنا اسے بتائے بغیر کیا ہے ہوا گرچہ اس پر بھی فاخرہ نے اسے اکسانے کی کوشش کی تھی...... مگر سرِدست روبی کی شوہر سے بات کرنے کی ہمت نہ پڑی...... اگلے دن اس کا سینٹر میں دل پڑھانے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر فاخرہ سے بھی ملنے کی اسے ایک عادت سی ہوگئی تھی پھر...... شعیب نے بھی اس سے کہہ رکھا تھا کہ آج کل نیو ایڈمشن اوپن ہیں...... لہٰذا اس کا ایڈمنسٹریشن میں صبح کو موجود ہونا ضروری ہے۔ بڑی بے دلی کے ساتھ اس نے کلاس لی پھر...... ذرا ریسٹ کرنے اسٹاف روم میں آگئی تو کچھ چونک پڑی۔ وہاں اسد پہلے سے موجود تھا اور چائے پی رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور سلام کرتے ہوئے بولا۔

''مم...... میں...... بس ذرا چائے پینے ہی آیا تھا، میڈم!'' وہ گھبرا سا گیا تھا۔ آخر کو وہ بھی اس کی باس ہی تھی۔ تاہم اس نے...... اپنی نظریں روبی کے چہرے سے ہٹائی نہیں تھیں۔ روبی کو ہولے سے مسکرانا پڑا۔ پھر وہ ہولے سے ''اٹس اوکے'' کہہ کر اندر آگئی اور ایک طرف صوفے پر براجمان ہوگئی۔

اسد نے اس کے چہرے سے محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ مضمحل سی تھی۔ بات سے بات کا موقع نکال کر فوراً بولا۔

''میڈم! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی...... اگر ایسی کوئی بات ہے تو آپ کی کلاس میں لے لیتا ہوں آج...... وہ...... میرا اگلا پیریڈ فری ہے، وجہ آپ کو معلوم ہی ہوگی۔''

''ہاں! مجھے معلوم ہے...... ایگزامز ہو رہے ہیں آج کل......'' روبی نے فوراً جواب دیا پھر سوچا اس کی بات کچھ غلط بھی نہ تھی۔ وہ تھوڑا وقت آفس میں بیٹھ کر کچھ انتظامی امور دیکھنے کے بعد گھر چلی جائے گی، لہٰذا بولی۔

''میرا خیال ہے آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ آج

واقعی میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، بہت شکریہ آپ کا۔" وہ مسکرائی بھی تھی، اسد کو اس کی مسکراہٹ میں زندگی کے رنگ بکھرتے نظر آئے۔ باوجود اس کے ...... وہ شادی شدہ تھی ...... بے شک یونیورسٹی کے دور میں وہ اس کی ایک "خاموش" پسند بھی رہ چکی تھی۔ اسد کو یہ سب اچھا لگا۔ آج نہ جانے اس کے اندر کہاں سے اتنی ہمت سمٹ آئی، جس پر اسے خود بھی حیرت تھی۔ کاش! وہ ایسی ہمت بہت پہلے کر چکا ہوتا۔ مگر وہ "دبو" ہی رہا جبکہ محبت کرنے والوں کو دبو نہیں "دبنگ" ہونا چاہیے۔ آج اسے اس بات کا احساس ہوا تو ایک ہوک سی اس کے درماندہ دل میں اٹھی، وہ بولا۔

"میڈم! ایک بات کہوں؟"

"جی ......" روبی نے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں...... مگر میں آپ کو پہچان چکا ہوں...... ہم دونوں یونیورسٹی فیلو رہ چکے ہیں۔"

روبی نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں! مجھے معلوم ہے۔ میں بھی تمہیں پہچان چکی ہوں۔"

"سچ میڈم!" اسد کے منہ سے یہ الفاظ قدرے بلند آواز میں نکلے۔ اس پر روبی نے بھی خاصا چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اسد کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ کمرے سے نکل گیا۔

روبی کے چہرے پہ گہری سوچ کے تاثرات پھیل گئے اور اس نے اپنی آنکھیں موند کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔

فاخرہ سے اس کی ملاقات جاتے وقت ہوئی تھی۔

"ارے کمال کرتی ہو تم! تم نے کوئی گناہ تو نہیں کیا۔ تمہیں اس بات کا ذکر ضرور کرنا چاہیے شوہر سے......"

روبی نے کہا۔ "ہمت نہیں پڑ رہی...... وہ خفا نہ ہو جائیں۔"

"واہ...... کیوں خفا ہوں گے؟ تم تو کہتی ہو...... وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں اور یہ محبت شادی کے بعد ہی مزید پروان چڑھی ہے۔ محبت کرنے والوں کو تو ایک دوسرے پر بہت مان ہوتا ہے۔"

"ہاں! وہ تو ہے...... مگر۔" روبی کچھ کہتے کہتے رک گئی تو فاخرہ نے آخری چوٹ کی۔

"دیکھو روبی! تم نے جو کچھ کیا وہ ایک مشترکہ مفاد کی خاطر کیا، تم خود سوچو اس میں صرف تم ماں ہی نہیں بنو گی بلکہ شعیب کو بھی تو باپ بننے کی خوشی ہوگی ...... اس سے تمہارا گھر بنے گا، ایک خاندان بنے گا، شعیب کی نسل آگے چلے گی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شعیب کو تمہاری اس حرکت پر ناراض ہونا چاہیے۔ بہرحال آگے تمہاری مرضی ...... میں نے دوستی کی خاطر اپنا فرض پورا کر دیا۔" یہ کہہ کر فاخرہ چپ ہوگئی اور روبی پُرسوچ انداز میں اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

☆☆☆

روبی کے لیے یہ واقعی بہت کٹھن مرحلہ تھا کہ وہ شوہر کو ان ساری باتوں سے آگاہ کرے...... پھر چند دن اسی طرح بیت گئے۔ شعیب کا موڈ بھی ٹھیک رہا۔ اس دوران میں روبی نے بھی شعیب سے کوئی ایسی ویسی بات نہ کی...... شعیب اس سے محبت کرتا تھا۔ اس روز دونوں نے رات کا کھانا باہر کھایا تھا...... شعیب نے اس سے محبت بھری باتیں کی تھیں۔ روبی کچھ حوصلہ اور ہمت پکڑنے لگی۔ اسے خود پہ غرور بھی ہوتا کہ شعیب اس کو بے انتہا چاہتا تھا لہٰذا اس رات اس نے شعیب کو ساری بات بتا دی اور اپنی میڈیکل فائل دکھاتے ہوئے اس کی منت سماجت بھی کرنے لگی کہ اب وہ بھی اپنا میڈیکل چیک اپ کروا لے اور...... اگر خدانخواستہ اس میں "صلاحیت" کا کوئی نقص ہے تو اس کا خاطر خواہ علاج بھی موجود ہے، جو اسے کروانا چاہیے۔

اس نے دیکھا...... شعیب کا خوشگوار موڈ ایک دم بدل گیا، چہرے پر گمبھیر سناٹا طاری ہو گیا۔ آنکھوں میں ایکا ایکی بے حسی اور سنگ دلی اتر آئی، تب وہ...... روبی کی طرف دیکھ کر پتھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہوں...... تو گویا تم نے میری بات نہیں مانی......"

"مگر...... شی! ...... میں نے ایسا کوئی برا کام تو نہیں کیا...... آپ کے اور اپنے ایک مشترکہ فائدے کے لیے......"

شعیب کی پاٹ دار آواز نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ اپنے سرخ پڑتے چہرے اور غیظ آمیز لہجے کے ارتعاش پر بہ مشکل قابو پاتے ہوئے بولا۔ "روبینہ بیگم......! میں تمہیں...... حکم عدولی کی بنا پر...... طلاق دیتا ہوں......"

روبی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"تمہیں طلاق دیتا ہوں......"

روبی گنگ ہو گئی۔

"تمہیں طلاق دیتا ہوں......"

روبی کا چہرہ فق ہو گیا۔

روبی کو شعیب کے الفاظ اپنی زخمی سماعتوں میں پگھلے

ہوئے سیسے کی طرح اترتے محسوس ہوئے، پورا کمرا گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کا حلق سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ اسے غش سا آنے لگا۔ اس کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ...... اتنا بڑا فیصلہ وہ...... یوں آن واحد میں کر ڈالے گا اور اسے محض تین الفاظ کی چھری سے اس قدر بے رحمی اور بے حسی کے ساتھ ذبح کر ڈالے گا......

روبی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا...... وہ بہ مشکل دیوار کا سہارا لے کر بت بنے چہرے کے ساتھ...... ہکا بکا سی شعیب کے پتھرائے ہوئے بے رحم چہرے کو تکتی ہوئی...... بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

☆☆☆

اس رات وہ اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر آنسوؤں سے لبریز چہرے کے ساتھ ماسی کے ہاں آ گئی اور بے اختیار اس سے لپٹ کر زار و قطار رو پڑی۔ ماسی تو اسے بیٹیوں کی طرح چاہتی تھی۔ ماسی بے چاری اسے اس حالت میں دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی...... پھر جب اسے اصل حقیقت کا پتا چلا تو اسے بھی بہت دکھ ہوا...... مگر اب جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا...... لہٰذا اب وہ خود بے چاری، روبی کو تسلی دینے کے سوا اور کیا کر سکتی تھی؟

سچی بات تو یہ تھی کہ روبی کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کو اتنا دیوانہ وار چاہنے والے شخص نے اس سے یوں اچانک ناتا توڑ لیا تھا۔ وہ اپنا پن...... وہ بے لوث چاہت...... پیار و محبت کا تعلق...... وہ سب کچھ جو دو محبت کرنے والے دلوں کو جوڑے رکھتا ہے، محض لفظوں کے تین جھٹکوں نے سب توڑ ڈالا تھا۔ ایک پل میں ختم کر ڈالا تھا۔ وہ مجبور و غم ناک دل و دماغ سے سوچتی رہی کہ...... بس میاں بیوی کا رشتہ ایجاب و قبول کے تین بول سے طلاق کے تین لفظوں تک ہی محتاج رہتا ہے۔ روبی کو ابھی تک شعیب کے اس کٹھور پن اور سنگ دلانہ اقدام پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ آخر کب تک...... تلخ اور کریہہ حقیقتیں...... بہت جلد اور بتدریج یہ باور کرا ہی دیتی ہیں کہ...... وہ سب کچھ بھی ہو جاتا ہے...... جس کی انسان کو کبھی توقع ہی نہیں ہوتی۔

☆☆☆

اسد کو فاخرہ کے ذریعے اس افسوس ناک واقعے کا پتا چلا تھا۔ وہ سن ہو کے رہ گیا تھا۔ پہلے تو اسے فاخرہ کی بات پر یقین ہی نہیں آیا...... مگر ظاہر ہے اتنی بڑی بات غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ اسد کو اس پر از حد ملال ہوا۔ وہ روبی کو بہت چاہتا تھا۔ اس کے دل میں اس کی محبت بتدریج پروان چڑھی تھی...... یونیورسٹی کے دور سے وہ اس کی پسند تھی، جو انسیت میں بدلی اور بالآخر ایک خاموش اور یک طرفہ محبت اختیار کر گئی...... اسد بھلا اب کیا کر سکتا تھا۔ جس نے پہلے کچھ نہیں کیا...... وہ اب بھی کیا کر سکتا تھا۔ ایک بار پھر اس کے اندر ایک لاابالی اور کھلنڈرا بچہ...... انگڑائی لے کر بیدار ہوا، جو صرف دور سے چاند کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اسے پانے کی بھی آرزو کرتا ہے، انوکھے لاڈلے کی طرح کھیلنے کو بھی مانگتا ہے، پھر سمجھتا بھی ہے کہ وہ چاند...... وہ ماہ روشن چہرہ...... اس کی شوقِ دید کے سامنے ہوتے ہوئے بھی دور ہے...... وہ بس اس میں خود کو بہلا بہلا کر خوش رہتا ہے۔ مگر اس نے یہ کبھی نہیں سوچا یا چاہا تھا کہ روبی کے ساتھ ایسا افسوس ناک کچھ ہو جائے کبھی نہیں، اسے واقعی دکھ تھا۔ وہ پل کے پل میں روبی کے لیے بے چین ہو گیا۔ وہ اسے تصور ہی تصور میں دکھی اور غم زدہ دیکھنے لگا۔ اس کے اشکبار چہرے کی شبیہ چشم تصور کے سامنے گھومنے لگی۔ اگرچہ اس کا دل بہت چاہ رہا تھا کہ وہ اڑ کر روبی کے سامنے پہنچ جائے مگر ان دنوں وہ عدت کے دن پورے کر رہی تھی لہٰذا صبر سے انتظار کرتا رہا۔

یہ سب کیوں ہوا تھا؟ کیسے ہوا تھا؟ وہ جاننے کے لیے بے چین تھا...... تب پھر ایک عجیب بات ہوئی، بہت ہی عجیب...... اسد دبو سے یکدم دبنگ بن گیا۔ اسے اندازہ تو تھا ہی کہ روبی...... فاخرہ کے زیادہ قریب تھی۔ اس نے اسے کریدنا شروع کیا اور باتوں ہی باتوں میں اس نے اگلوا لیا کہ...... معاملہ کیا تھا اور شعیب کے روبی کو طلاق دینے کی وجہ کیا تھی؟

اسے فاخرہ پر شدید غصہ آیا۔ اس کے خیال کے مطابق اگر وہ روبی کو...... شعیب کی حکم عدولی پر نہ اکساتی تو شاید شعیب یہ انتہائی قدم کبھی نہ اٹھاتا۔ اس بات پر اس نے دوسرے روز فاخرہ کو اسٹاف روم میں کھدیڑنے اور لتاڑنے کا فیصلہ کیا۔

مگر جب وہ صبح کو چنگ سینٹر پہنچا تو اسے ایک چونکا دینے والی خبر ملی...... فاخرہ...... نے اپنی شفٹ تبدیل کروا لی تھی۔ اس نے شام کی شفٹ جوائن کر لی تھی۔

بہت سوچ کر اسد نے بالآخر روبی سے ملاقات کرنے کا سوچا تو ایک بار پھر اس پر عجیب و غریب سوچوں نے یلغار کر دی۔ وہ کس حیثیت سے اس کے پاس جائے؟...... اور اس سے کس بات کا اور کیا افسوس کرے؟ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ میں بھی اپنے ہی کسی "چور" مقصد کے لیے اس کے پاس آیا ہوں...... یہ کس قدر بری بات ہوگی، وہ برا نہ منا لے...... یہ نہ

ہوجائے...... وہ نہ ہوجائے...... جیسی الجھی ہوئی توجیہات اسے گویا ایک بار پھر دیو بنانے لگیں۔

یہی سبب تھا کہ...... یہ فیصلہ کرتے کرتے اسے کئی روز بیت گئے۔ اس کی بے چینی سوا ہوتی رہی۔ بے کلی اسے ادھ موا کرنے لگی تو آخر یکدم اس کے ذہن میں ابھرنے والے ایک خیال نے اس کے اندر کی سرپھری سوچوں، تاویلوں کو ایک طرف کردیا۔ وہ ایک کولیگ کی حیثیت سے بھی تو روبی سے مل سکتا تھا۔ ایک سابقہ کولیگ کی حیثیت سے...... اس خیال نے اسے ہمت دی...... اور کشاں کشاں اس کے قدم ایک روز روبی کے دروازے تک اسے لے گئے۔ پتا وہ پہلے ہی فاخرہ سے حاصل کرچکا تھا۔ اس کی عدت بھی پوری ہوچکی تھی۔

دل کو اپنے بہت سنبھال کر اس نے دستک دی...... اس کا منہ خشک ہونے لگا۔ دل کی دھڑکنیں بے طرح سی ہونے لگیں۔

پھر دروازہ کھلا، سامنے ایک ادھیڑ عمر خاتون تھیں۔ اس نے نہایت شستہ لہجے میں اسے سلام کیا پھر روبی کے حوالے سے اپنا تعارف کرایا۔ یہ خاتون ماسی تھی، وہ اسے سیدھی اندر لے آئی اور نشست گاہ میں لے جاکر بٹھادیا۔

آنے کو تو وہ یہاں آگیا تھا مگر اب وہ اس الجھن میں جتلا تھا کہ وہ اس سے کیا بات کرے گا؟ اور کس سلسلے میں؟...... پھر سب سے بڑی بات کس حیثیت سے......؟ طلاق کا پوچھتا ہے، تو کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اس پر افسوس کا اظہار کرتا ہے تو یہ بھی کیا بات ہوئی بھلا۔ گویا وہ اپنی فطرت کے مطابق ایک بار پھر عجیب وغریب اور الجھی ہوئی سوچوں کا شکار ہوکے شش وپنج میں پڑگیا۔ اب اس کا جی چاہا یہاں سے ایسے ہی اٹھ کر چلا جائے، تب پھر اچانک کسی غیر مرئی قوت نے اسے تھام کر بیٹھا رہنے پر مجبور کردیا۔ کم از کم ایک تعلق تو تھا۔ وہ اس کا ماضی میں یونیورسٹی فیلو تو رہ چکا تھا اور روبی بھی اسے اس حیثیت سے پہچان چکی تھی۔ بس! اس نے اس کی ہمت کو سوا کیا تھا...... اس عالم میں دلِ بے اختیار ونادان نے کہا۔ ''کاش! اس طرح کی حوصلہ افزائی وہ بارہ سال پہلے بھی کردیتی...... مگر...... وہ تو خود ہی دبو تھا۔'' معاً کسی کی آہٹ پر وہ اپنے ''منتشر'' خیالات سے چونکا۔

''ارے آپ......'' وہی مترنم آواز نے اس کی سماعتوں میں رس گھولا۔ وہ اندر آچکی تھی۔ اسد اس کے ادب میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور نظر بھر کے روبی کے دلدار چہرے کو دیکھا۔ اس میں غم کی پرچھائی اور کشادہ آنکھوں کی ہلکورے لیتی اداسی نمایاں طور پر نظر آگئی۔ وہ عام سے گھریلو شلوار قمیص میں تھی۔ بال کھلے ہوئے تھے۔ اس کے حسن ولطافت سے لبریز چہرے میں اداسی کا شائبہ غم ناک حسن کی نئی تعریف عطا کرتا تھا۔

اس نے سلام کیا، روبی نے اسے بیٹھنے کا کہا۔

''آپ...... خیریت سے ہیں؟'' روبی نے اس کے سامنے والے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے پوچھا۔ وہ کچھ گہری گہری نگاہوں سے اس کی طرف تکتے ہوئے بولی۔ اسد کو اس کا لہجہ بھی مترنم محسوس ہوا۔ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''وہ...... آپ...... اتنے روز سے کوچنگ نہیں آئی تھیں...... اس لیے......''

''کیا آپ کی فاخرہ سے بات نہیں ہوئی؟'' روبی نے بہ دستور الجھے جھجکتے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اور اسد اس کی بات کا مطلب فوراً بھانپ گیا مگر اسے اظہار کے مناسب الفاظ تلاشنے میں دقت کا سامنا ہو رہا تھا۔ پھر جو زبان پہ آیا بولنے لگا۔

''ج...... جی ہاں! فاخرہ سے ہی مجھے اس افسوس ناک خبر کا پتا چلا تو...... میں نے سوچا......'' اسے یہ بھی روبی سے کہتے ہوئے عجیب لگا...... یہی سبب تھا کہ اس نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا جبکہ روبی بھی اس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی اور بے اختیار اس نے ایک آزردہ سی سانس بھری۔

''آپ کو برا تو نہیں لگا...... میرا یہاں آنا؟'' اسد نے اس کے چہرے پر غم کی سلوٹ ابھرتے محسوس کرکے یکدم کہا۔

''نہیں......'' روبی نے مختصراً جواب دیا جبکہ اسد کو اس کا مختصر جواب بھی یوں لگا جیسے اس نے برا منایا ہو، وہ بولا۔

''یہ میرے لیے بہت اچانک اور بالکل غیر متوقع خبر تھی...... کیا شعیب صاحب نے مصالحت کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دی تھی؟''

''یہ بڑی لمبی بات ہے، اب اسے دہرانے سے کیا فائدہ، اسد صاحب! اس آدمی نے جو کرنا تھا سو کر ڈالا......'' روبی نے اپنے ٹوٹے ٹوٹے لہجے کی غم ناکی پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ اسد کو اس کے لبوں سے اپنا نام لیتے ہوئے اچھا لگا۔ وہ بولا۔

''جی! آپ نے صحیح کہا۔''

''آپ کیا پئیں گے...... چائے یا کولڈ ڈرنک؟'' روبی کو جیسے اچانک آداب میزبانی کا خیال آیا اور یہ پوچھتے ہوئے وہ صوفے سے اٹھنے لگی تو اسد نے فوراً اسے روکنا چاہا مگر وہ یہ کہتے ہوئے چلی گئی۔

''نہیں، آپ پہلی بار آئے ہیں۔''

اسد اسے بڑی محبت سے کمرے سے ایک دوسرے اندرونی دروازے کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اب اسد کو یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔ اس پر تھوڑی دیر پہلے جو دباؤ والی کیفیات تھیں، وہ بتدریج رفع ہونے لگی تھیں۔ ایسے میں دل نے اس کے اندر بالکل بچوں جیسی چٹکی دی۔

کتنا اچھا اور لطیف محسوس ہوتا ہے۔ محبوب کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ کر...... اسے اپنے لیے نشست وبرخاست کرتے دیکھ کر...... مگر اس کا محبوب تو دکھی تھا۔

''روبی! مجھے ایک ذرا موقع دو۔ میں تمہارے دکھ اپنے اندر جذب کرلوں گا۔'' یہ خیال اس قدر بے اختیار انداز میں اس کے دل میں ابھرا تھا کہ اسے ڈر ہوا کہیں یہ بے اختیاری جملہ اس کے ہونٹوں تک نہ آجائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی آگئی۔ اس کے ہاتھوں میں چھوٹی ٹرے تھی۔ اس پر چائے کی نفیس پیالی اور ایک پلیٹ میں بسکٹ رکھے تھے۔

''آپ نے بلاوجہ ہی تکلف کیا۔ یہ ایسا کوئی موقع تو نہ تھا۔'' اس نے کھسیاتے ہوئے کہا۔

''اب چھوڑیں اس بات کو...... اسد صاحب!'' وہ ٹرے کو سامنے میز پر رکھتے ہوئے بولی تو ایسے میں اسد کو اس کی قربت اور سیم تن وجود کی ہلکی ہلکی نکہت کا احساس ہوا۔ اس کا دل ودماغ اس خوشبو سے معطر ہوگیا...... اس نے بھی موضوع بدل دیا۔

چائے کا ایک گھونٹ بھر کے اس نے کہا۔ ''آپ چائے بہت اچھی بناتی ہیں، آپ کو یاد ہے۔ یونیورسٹی کے دور میں ایک بار ہم دونوں نے سینٹرل کینٹین میں اسی طرح بیٹھ کر چائے پی تھی اور دوسری بار اب پی رہے ہیں۔''

روبی کو اسد کی اس بات میں بچوں جیسا اشتیاق اور انسیت سی محسوس ہوئی۔ یہی سبب تھا کہ اس کے حنائی رنگ لیے لبوں پہ مسکراہٹ تیر گئی۔ پھر اسی لہجے میں وہ بولی۔

''اتنی پرانی بات آپ کو اب تک یاد ہے؟''

''جی ہاں! اس لیے کہ صرف ایک بار ہی ایسا ہوا تھا اور ایک بار کی بات انسان کو نہیں بھولتی، ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ مجھے بھی یاد رہ گئی۔'' اسد کہتا چلا گیا۔ اسے خود حیرت ہوئی، یہ کیسے برملا اور نپے تلے الفاظ اس کے ہونٹوں سے نکلے جارہے تھے۔ روبی بڑے غور سے...... بڑی سوچتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اسد نے چائے ختم کی، اس کا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہوتے ہوئے کہا۔

''کولیگ تو ہم مختصر سے عرصے کے لیے تھے اور بعد میں تھے مگر اس سے پہلے ہم یونیورسٹی فیلوز تو رہ ہی چکے ہیں۔ وہی حوالہ میرے لیے ماضی کے لحاظ سے اہم ہے...... اور رہے گا بھی...... اس اعتبار سے مجھے کہنے دیجیے کہ...... کسی بھی سلسلے میں میری ضرورت پڑے تو اس ناچیز کو یاد کرلیجیے گا۔ مجھے آپ بھولی نہیں ہیں۔''

نہ جانے اسد نے اتنی بڑی بات کیسے کہہ ڈالی تھی اور پھر وہ رکا بھی نہ تھا۔ چلا آیا تھا، اپنے پیچھے...... روبی کو سوچتا چھوڑ کر......

☆☆☆

غصے اور طیش میں کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے انسان کو کسی بات کا ہوش رہتا ہے، نہ احساس...... مگر بعد میں جوش سرد ہونے پر وہی انسان سخت پشیمانی کا شکار ہوجاتا ہے۔ شعیب کو بھی اس بات کا بہت شدت کے ساتھ قلق ہو رہا تھا کہ...... جو کچھ ہوا...... وہ غلط ہوا تھا۔ اسے اب اپنے کیے پر پشیمانی ہورہی تھی...... وہ بری طرح پچھتا رہا تھا۔ اس کی خود سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ اچانک کیا ہوگیا......؟ اس نے...... روبی کو...... اپنی محبوب شریکِ حیات کو طلاق دے ڈالی تھی......؟ اس بیوی کو جس سے وہ شدید محبت کرتا تھا۔ سوچ سوچ کر شعیب کی حالت غیر ہونے لگی۔ اس کا کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ ایک بے چینی تھی جو ناسور کی طرح اس کے دل ودماغ کو...... اس کے درماندہ وجود کو اندر ہی اندر کھا رہی تھی۔ وہ چڑچڑا سا ہونے لگا تھا۔ تنہائی کے لمحات میں تو یہ وحشت پاگل پن کا دورہ بن کر بھی ابھرتی تھی۔ وہ چیزیں اٹھا کر پھینکنے لگتا۔ کمرے کی دیوار پر اس نے مکے برسا کر اپنا ہاتھ تک زخمی کرلیا تھا۔ ایک روز بالآخر اس نے روبی کے سیل فون پر دلِ بے قرار کے ہاتھوں مجبور ہوکے رابطہ بھی کیا مگر دوسری طرف سے روبی نے کال ہی ڈراپ کردی۔ اس نے کسی اور نمبر سے بھی روبی کے سیل فون پر رابطہ کیا۔ ظاہر ہے وہ نمبر روبی کے لیے اجنبی ہی تھا اس لیے اس نے کال ریسیو کرلی تھی مگر پھر دوسری جانب سے شعیب کی آواز سن کر فوراً کاٹ دی بلکہ اپنا سیل بھی آف کر ڈالا۔ شعیب بری طرح جھنجلا گیا۔ پھر سوچنے لگا اب بھلا اس کا روبی سے کیا تعلق رہ گیا تھا......؟ وہ تو اسے حرفِ غلط کی طرح مٹا چکا تھا۔ اپنی زندگی سے نکال چکا تھا۔ اس نے تو اب اس مضبوط رشتے کے درمیان میں خلیج حائل کرڈالی تھی، جو خطِ تنسیخ کا درجہ رکھتی تھی۔ واپسی کی کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی۔ طلاق کے بعد روبی سے روابط بڑھانے کا سوچنا بھی گناہِ کبیرہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہوچکے تھے۔

شعیب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ روبی کے فلیٹ پر جا پہنچے۔ یہ خیال آیا بھی تھا اس کے دل میں...... مگر پھر یہ سوچ

کر وہ دل مسوس کر رہ جاتا کہ وہ اس کی کال ہی نہیں اٹینڈ کر رہی ہے...... تو بھلا اس کی صورت دیکھنا کیسے گوارا کرے گی؟ وہ خود کو کوسنے لگتا۔ روبی نے آخر ایسا کیا ہی کیا تھا کہ اس نے یہ انتہائی قدم اٹھالیا تھا؟ بس! اتنا ہی تو کیا تھا اس نے کہ اس کی اجازت اور مرضی کے خلاف لیڈی ڈاکٹر سے اپنا چیک اپ کروانے چلی گئی تھی۔ آخر ایسا کیا جرم کیا تھا اگر وہ ایک گائناکولوجسٹ سے مشورہ کرنے چلی گئی تھی تو...... وہ عورت تھی، ایک بیوی بھی تھی۔ ماں بننے کی بھلا کس عورت کو آرزو نہیں ہوتی؟ اپنا علاج کروانے کا کیے حق نہیں ہوتا؟ شعیب کو اب یہ سوچ کر خود سے شرمندگی ہونے لگی تھی کہ...... اس نے اس بات کو واقعی اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ وہ روبی کی محبت کا قیدی نہیں تھا بلکہ اپنی مردانہ انا کا قیدی تھا۔ غلطی اس کی اپنی تھی، روبی کی نہیں تھی۔ دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں ڈھل گئے۔ یہ ساری باتیں وہ تقریباً روزانہ ہی سوچا کرتا تھا۔ اسے اب شدت سے احساس ہو چلا تھا کہ اول و آخر غلطی اس کی اپنی ہی تھی مگر اب...... سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ مراجعت کی کیا راہ ہو سکتی ہے؟ وہ اس پر اب سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے لگا۔ سوچنے لگا...... سوچتا رہا...... کہ آخر اس مسئلے کا حل بھی تو کوئی ہوگا۔ قرآن و سنت اس بارے میں کوئی فرمان تو رکھتا ہوگا۔ تو کیا اسے کسی عالم دین سے اس مسئلے کا حل پوچھنا چاہیے؟ بہت سوچ و بچار کے بعد بالآخر یہی بات اس کے دل میں گھر کرنے لگی۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ اس گمبھیر مسئلے کا حل علما ہی بتا سکتے ہیں۔ اگر مراجعت کی کوئی صورت نکل آتی ہے، تب وہ روبی سے ضرور...... خود ملنے کی کوشش کرے گا...... یہ سب سوچ کر اس کے دل کو تسلی ہوئی۔ مگر اب سوال یہ تھا کہ وہ کسی ایسے عالم دین کو جانتا ہی نہ تھا کہ جس سے وہ ملتا۔ تاہم اسے اپنے ایک دوست کا خیال آیا جو ان کے درمیان اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اس نے فوراً اس سے رابطہ کیا۔

☆☆☆

ایک عورت کو خدا نے مرد کی نگاہ پہچاننے کی صلاحیت عطا کر رکھی ہے تو ایک بیوی کو وہ وجدان بھی عطا کیا ہے، جس کی بنا پر وہ اپنے مجازی خدا کے مزاج اور طبیعت کو بھانپ لیتی ہے۔ روبی کو بھی شعیب کے ساتھ اس قدر دلی و ذہنی ہم آہنگی ہو گئی تھی کہ اس نے شعیب سے شادی کے چند دن بعد ہی اس کی محبت کو پرکھ لیا تھا کہ وہ اسے کس قدر چاہتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ طلاق کے بعد روبی کو خوب اندازہ تھا اس بات کا کہ...... ایک نہ ایک دن...... بلکہ بہت جلد شعیب کو اپنے کیے پر ضرور پچھتاوا ہوگا اور وہی ہوا۔ جب اس کے سیل پر طلاق کے بعد شعیب کی پہلی کال آئی تو روبی نے درد انگیزی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے اور کال کاٹ دی۔ پھر ہر بار اس کی کال آنے پر وہ دل پہ بھاری پتھر رکھ کر یہی کرتی رہی۔ اسے دکھ بھی ہو رہا تھا...... کئی بار جی چاہا بھی کہ شعیب کی کال اٹینڈ کر ہی لے...... مگر پھر خیال آتا، اب بھلا اس کا شعیب سے رشتہ ہی کیا رہ گیا تھا۔ اس نے تو عام انسانوں والا رشتہ بھی توڑ ڈالا تھا۔ اس رشتے کو داغ دار کر ڈالا تھا۔ طلاق دے کر اس نے بات کرنے کی کوئی عام سی راہ بھی تو نہیں چھوڑی تھی، پھر طلاق جیسا لفظ...... بالخصوص ایک عورت کے لیے مرد سے زیادہ ذلت و رسوائی کے داغ کے ہی برابر ہوتا ہے۔ ایک گالی کی طرح سیدھا عورت کے دل کو لگتا ہے۔ اس سماج میں مطلقہ عورت کو ہی اس کا قصوروار سمجھا جاتا ہے۔ مرد ذات تو جیسے دودھ کی دھلی ہوتی ہے۔ اب وہی دودھ کا دھلا مرد اس سے بات کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا، تڑپ رہا تھا۔ روبی کے اندر کی عورت سختی سے مانع ہو رہی تھی کہ ایسے مرد سے اب بات کرنے کا فائدہ کیا جس نے محبت اور میاں بیوی کے رشتے پر اپنی جھوٹی مردانہ انا کی چھری پھیر ڈالی۔

مگر ہائے ری عورت...... جس کے لیے اوپر سے ہی فرمان اترا ہے...... کہ یہ کمزور ذات ہے...... کچھ روز بعد روبی کو...... اپنے سیل پر...... شعیب کا ایس ایم ایس موصول ہوا۔ لکھا تھا۔ ”پلیز روبی! بات کرو۔ ایک غلطی سے تمام راستے بند نہیں ہو جاتے۔“ میسج پڑھ کر روبی کو اپنے گلے میں گولا سا اٹکتا محسوس ہوا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر اس میسج کو وہ بار بار پڑھتی ضرور رہی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ شعیب کی طرف سے دوسرا ایس ایم ایس آ گیا۔ ”پلیز روبی......“ فقط یہی لکھا تھا۔ روبی نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ کافی دیر گزر گئی، شعیب کا تیسری بار میسج آیا۔ ”روبی! خدا کے لیے...... مجھے معاف کر دو...... خدا بھی معاف کر دیتا ہے، ایک ذرا بات کر لو...... پلیز...... آج کی تلخی کو ذرا دیر کے لیے بھلا کر، ماضی کے حسین ساتھ گزرے لمحوں کی یادوں کے احسان تلے ہی سوچ کر...... ان حوالوں کی خاطر...... جو ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ شادمانیوں میں گزارے...... پلیز...... کال کروں......؟“

اس بار کا کچھ طویل میسج پڑھ کر...... روبی کے حلق میں اٹکی ہوئی رقت آنکھوں کے راستے آنسوؤں کی صورت بہہ نکلی۔ سیل فون والا ہاتھ کپکپانے لگا۔ اس کی جامد انگلیوں میں ارتعاش کی کیفیات ابھریں اور...... پتا نہیں کس طرح اس کی انگلیوں نے مختصر سی حرکت کی اور جواب میں روبی نے ہاں لکھ دیا۔ گویا ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں شعیب کی کال آ گئی۔

روبی نے حلق اور آنکھوں میں اتری ہوئی رقت پر قابو پایا اور لرزیدہ سے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کو آن کرکے اپنے کان سے لگا لیا... دوسری جانب سے گویا چھوٹتے ہی شعیب کی آواز ابھری۔

"مائی گاڈ......سو تھینکس......روبی! تت......تم......تم نے میرا فون اٹینڈ کرلیا۔" فرطِ مسرت سے شعیب کی آواز ہی نہیں لہجہ بھی کانپ رہا تھا۔ وہ بالکل بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا اور جذباتی بھی...... روبی نے اپنے ہونٹ بھینچ رکھے تھے، وہ آگے بولا۔

"ر......ر......روبی......! یقین جانو...... ایک پل کے لیے بھی میں چین سے نہیں بیٹھا ہوں۔ مجھے احساس ہے، میں نے تمہیں خود سے جدا کرکے اپنی زندگی کی سب سے بڑی اور بھیانک غلطی کی ہے۔ میں نے اپنی اس حرکت پر خود کو بہت کوسا...... بہت تڑپا ہوں...... تم سے جدا ہوکے روبی......! تمہیں طلاق دینے کے محض چند ساعتوں بعد ہی میں پورے جی جان سے تڑپ اٹھا تھا کہ یہ میں نے کیا کر ڈالا۔ اپنی زندگی کو خود سے جدا کردیا۔ اپنے جسم سے روح کو علیحدہ کر ڈالا۔ تمہاری سنگت میں اپنی ہنستی بستی زندگی کا نصیب خود اپنے ہاتھوں سے دھکیل کر دور کردیا۔ کتنا بدنصیب ہوں میں کہ خوش نصیبی کو خود سے دور کردیا۔ یقین جانو ایک پل کے لیے بھی چین نہیں ملا ہے مجھے، تمہیں خود سے دور کرکے۔" وہ بولتا رہا۔ روبی خاموشی سے سنتی رہی۔ وہ ٹوٹ کر بول رہا تھا اور اس کے الفاظ تڑخ کر بکھر سے رہے تھے، اندازہ ہوتا تھا روبی کو...... اس کی درماندگی اور پشیمانی کا...... اس کے لہجے کی تڑپ کا......

"کچھ بولو گی نہیں......؟" ایک ذرا توقف کے بعد شعیب کی آواز ابھری تو روبی نے بہ مشکل اپنی لرزتی کیفیات پر قابو پایا اور لبِ لرزاں کو جنبش دی کہ منہ سے نکلا ایک ایک لفظ برچھی کی صورت اختیار کرگیا۔

"اب کوئی فائدہ نہیں رہا ان باتوں کا شعیب احمد صاحب!...... آپ نے اپنی مردانہ انا کے گھمنڈ میں جو کرنا تھا سو کرلیا...... ہاں......! ایک حقیقت کا تو پتا چل گیا کہ...... یہ انا...... کس قدر جابرانہ قوت رکھتی ہے کہ...... محبت جیسے طاقت ور جذبے کو بھی ایک ہی لمحے میں ڈھا کر رکھ دیتی ہے......"

"مجھ سے شکوہ کرو...... گلہ کرو...... روبی! مجھے برا بھلا کہو...... اس لیے کہ قصوروار میں ہی ہوں......" روبی کی بات مکمل ہوتے ہی شعیب تڑپ کر بولا۔

روبی پھیکے پھیکے سے لہجے میں بولی۔ "آپ نے جو قدم اٹھالیا ہے۔ اس کے سامنے شکوے اور گلے بھی حقیر اور ہیچ لگتے ہیں......بس!...... اب آئندہ مجھ سے کوئی رابطہ رکھنے یا استوار کرنے کی امید بھی مت رکھنا...... شعیب احمد صاحب!"

"سنو...... سنو...... پلیز...... ایسا مت کہو روبی......! تم تو یکدم ہی اجنبی بن گئیں۔" دوسری جانب سے شعیب بےقراری سے بولا۔

"میں رابطہ منقطع کر رہی ہوں......" روبی نے اچانک کہا تو شعیب جلدی سے بولا۔

"رکو......رکو...... میری بات سنو......روبی!...... د......و......دراصل...... م...... میں نے اس طرح کی سچویشن سے متعلق...... م...... میرا مطلب ہے...... اس قسم کی مراجعت...... کے متعلق...... ایک ممتاز عالمِ دین سے مشورہ کیا ہے...... اور......" شعیب کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ روبی نے سلسلہ ہی منقطع کردیا تھا۔

☆☆☆

پھر یوں ہوا...... کہ اس نے کوچنگ سینٹر کی ملازمت چھوڑ دی۔ اس لیے کہ اب وہاں روبی نہیں تھی۔ یوں بھی اب اس کا دل اس کوچنگ سینٹر سے اچاٹ ہوگیا تھا۔ اسے نوکری کی پروا کب تھی، وہ قابل، ڈگری یافتہ اور پڑھا لکھا آدمی تھا۔ شہر میں بھی کوچنگ سینٹرز کی کمی نہیں تھی۔ اسے کسی بھی ایسی جگہ دوسری نوکری مل سکتی تھی، بلکہ وہ تو ایک دن میں دو دو نوکریاں بھی کرتا رہا تھا...... اب اس کے خیالات اس کی سوچوں کا محور...... روبی ہی تھی۔ روبی سے اس بار ہونے والی ملاقات اسد کو کئی پہلوؤں سے اہم محسوس ہوئی تھی کہ...... اس نے اشاروں کنایوں میں ہی سہی...... روبی پر بہت کچھ باور کروا دیا تھا۔ اب وہ بچوں کی طرح بار بار اپنی اس اہم ملاقات کے سیاق و سباق... پوری صراحت کے ساتھ دل و دماغ میں دہراتا...... یاد کرتا...... اور خوش ہوتا رہتا...... کہ اس نے روبی کو اپنے بارے میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا اور یہی نہیں اسے پتا نہیں اب یہ خوش فہمی ہوگئی تھی...... یا پھر غلط فہمی کہ روبی اس کی ذومعنی باتوں سے اس کے دل میں برسوں چھپی اس خواہش کا اندازہ ضرور لگا چکی ہوگی...... جس کا اظہار وہ اس کے سامنے کبھی نہ کر پایا تھا۔

اس بات کو...... روبی سے اس ملاقات کو...... کچھ دن اور بیت گئے...... اس سے ملنے کی...... اس سے بات کرنے کی جب اور کوئی سبیل نظر نہ آئی تو...... اسد ایک بار پھر ایک دن اس کے فلیٹ جا پہنچا۔

اس روز موسم بھی خوشگوار تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔

آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، ہلکی ہلکی نرم اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، فضا میں پُرلطیف احساس رچا ہوا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ ایسی رچی بسی فضا میں بے مقصد نکلا جائے...... گھوما جائے...... اور وہ گھومتے گھومتے...... ایک بار پھر روبی کے دروازے پر جا پہنچا۔ آج اس نے روبی سے ملنے کا خاص اہتمام بھی تو کیا تھا...... بہترین تراش کا لائٹ اسکائی کلر کا کوٹ پینٹ...... اعلیٰ درجے کا پرفیوم... اسپرے...... اور ہاتھ میں چھوٹا سا خوب صورت پھولوں کا گلدستہ...... تھاما ہوا تھا۔ آج وہ روبی کے فلیٹ کے دروازے پر دستک دیتا ہوا بھی خاصا پُراعتماد نظر آرہا تھا۔

دستک کے جواب میں اس بار ماسی کے بجائے خود روبی نے دروازہ کھولا تھا...... اور اسد، روبی کو دیکھتے ہی دنگ سا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

شعیب کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ روبی نے اس کی بات سنی تھی، چاہے ادھوری سہی...... ایک روز گزرنے کے بعد شعیب نے پھر فون کیا اسے...... دوسری جانب بیل جاتی رہی، شعیب کا دل دھڑکتا رہا۔ کال ریسیو نہ کی گئی۔ شعیب مایوس نہیں تھا کیونکہ کال منقطع نہیں کی گئی تھی بلکہ ریسیو ہی نہیں کی گئی تھی۔ کچھ منٹوں بعد شعیب نے دوبارہ نمبر ملایا۔ تیسری رنگ ٹون ابھرنے کے بعد کال ریسیو ہوئی تو شعیب کا دل بے طرح دھڑک اٹھا۔ فوراً بے تابانہ انداز میں بولا۔

"ر......روبی! پلیز...... میں اپنی غلطی پر نادم ہوں، بہت سخت نادم ہوں، م...... مجھے معاف کردو۔ میں...... میں...... تم سے ملنا چاہتا ہوں...... صرف...... ایک بار...... پلیز۔" وہ بڑی لجاجت سے بولا۔ دوسری جانب روبی سیل کو خاموشی سے اپنے کان سے لگائے یہ سب سن رہی تھی، دل اس کا بھی رجزیہ انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ کچھ بھی تھا، وہ نادم تھا اپنے کیے پر...... اس نے غلطی کی تھی۔ اس پر سخت پچھتاوے کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ وہ اسے چاہتا تھا، اس کا تو روبی کو بھی علم تھا۔ روبی کے دل میں بھی اس کے لیے چاہت کے جذبات ہنوز موجود تھے۔ دلِ بےتاب نے اسے بھی اندر ہی اندر کھدیڑنا شروع کردیا تھا۔ وہ بہت ہولے سے بولی۔

"کیوں ملنا چاہتے ہو مجھ سے......؟"

شعیب کی سماعتوں سے روبی کی آواز کیا ٹکرائی، وہ یکدم ٹوٹ کر...... تڑپ کر بولا۔ "م...... میں...... خود کو...... تت...... تمہارے قدموں میں گرانا چاہتا ہوں...... روبی!...... ہاں...... میں ایسا ہی کرنا چاہتا ہوں...... کیونکہ غلطی میری ہی تھی، پلیز...... انکار مت کرنا، کہو تو ابھی تمہارے گھر چلا آؤں؟"

"ہرگز نہیں......" روبی نے اٹل لہجے میں کہا۔

"تت......تو پھر......؟" شعیب نے سوالیہ کہا۔ "دیکھو انکار مت کرنا روبی! میں خطا کا پتلا ہوں...... میں ایک دن بھی چین سے نہیں رہا ہوں...... تمہارے بغیر...... روز مرتا ہوں، روز جیتا ہوں...... بس!...... ایک ہی آس پر...... کہ تمہیں دوبارہ پالوں......"

روبی پُرسوچ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ تصور کی آنکھ سے اس کی بےتابانہ کیفیات اور تڑپ کا اندازہ کر رہی تھی۔ اس کی وارفتگی و والہانہ بےچینی کو بھانپ رہی تھی اور یہ سب اسے سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں کہ...... شعیب سے جو کچھ ہوا تھا وہ انتہائی غصے کی حالت میں ہوا تھا...... وہ اب اس سے ایک ملاقات کی بھیک مانگ رہا تھا۔ محض اس کے قدموں میں گرنے کے لیے۔ پھر بھی روبی نے دوبارہ پوچھ لیا۔

"کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"تجدیدِ وفا کے لیے......" دوسری جانب سے شعیب نے فوراً کہا۔

"شاید اب کے تجدیدِ وفا کا امکان نہیں ہے۔" روبی نے احمد فراز کے ایک شعر کی تشریح میں کہا۔

"یہ امکان...... کیسے نہیں ہے...... کیا یہ محبت اتنی کمزور تھی کہ محض غصے کی حالت میں تین الفاظ نے اسے ختم کردیا؟ ہرگز نہیں روبی...... میں تم سے محبت کرتا ہوں...... روبی! بہت زیادہ......" وہ کہے جا رہا تھا۔ روبی دھڑکتے دل سے سنے جا رہی تھی۔

"پلیز روبی!...... صرف ایک بار مجھ سے مل لو......"

"ہم کسی اور جگہ مل سکتے ہیں۔" معاً روبی نے کہا تو شعیب کا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھل پڑا۔ وہ انتہائی جذباتی ہوکر خوشی سے بولا۔

"مائی گاڈ!...... روبی!...... تت...... تم ہمیشہ سے مہربان رہی ہو...... تمہارا وجود...... تمہاری ہستی...... ہمیشہ سے سراپا محبت و مہربان رہا ہے میرے لیے...... اب بھی...... اب بھی...... تم نے اس بدنصیب اور ستم رسیدہ اور خودگزیدہ آدمی پر رحم کھا ہی لیا۔"

دونوں کے درمیان طے پایا کہ وہ ایک ریسٹورنٹ میں ملاقات کریں گے اور یہ ملاقات مختصر اور صرف چائے کے ایک کپ تک محدود رہے گی۔ کہیں باہر نہیں نکلا جائے

گا۔ یہ شرائط ظاہر ہے...... روبی کی طرف سے ہی تھیں۔

چند گھنٹوں بعد دونوں مذکورہ ریسٹورنٹ کے ایک نسبتاً الگ تھلگ گوشے میں بچھی میز پر موجود تھے۔ روبی تو...... شعیب کی حالت دیکھ کر ہی دنگ رہ گئی تھی بلکہ کسی حد تک خوف زدہ بھی...... اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر روبی کو تو یوں لگا تھا اگر وہ شعیب سے رابطہ نہ کرتی...... تو...... تو...... شاید غم کی شدت سے وہ اندر ہی اندر گھٹ کر مر جاتا۔ چہرہ اترا ہوا آنکھیں سوجی ہوئی، شیو بھی نہ جانے کتنے دنوں کی بڑھی ہوئی تھی، صحت بھی گری گری سی نظر آ رہی تھی۔

''روبی! میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا...... زندہ نہیں رہوں گا۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر رندھے ہوئے لہجے میں بولا۔

روبی کو اس کی حالت پر پہلے ہی ترس آ رہا تھا۔ بہت ہولے سے اور دھیرے سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟''

''آہ...... روبی!...... کتنی اپنائیت ہے تمہارے لہجے میں میرے لیے اب بھی......'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا تو روبی نے کن انکھیوں سے اپنے گرد و پیش میں ایک نگاہ ڈالنے کے بعد نیچی آواز میں کہا۔

''میں اس ملاقات کو بھی گناہ کے زمرے میں محسوس کر رہی ہوں...... شعیب صاحب!...... جو کہنا ہے جلدی کہیں......''

''روبی! ہم کوئی گناہ نہیں کر رہے...... ہم تو مراجعت کی راہ تلاش کر رہے ہیں۔'' شعیب نے کہا۔ پھر روبی کے چہرے پہ بے چینی کے تاثرات ابھرتے دیکھ کر فوراً مقصد کی بات پر آ گیا۔ بڑے رسانیت آمیز ملائمت سے بولا۔ ''روبی......! میں نے ایک ممتاز عالم دین سے اس متعلق مشورہ کیا تھا۔ انہوں نے مجھے اس مسئلے کا حل بتایا تھا......''

''حلالہ......؟''

شعیب نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ...... روبی اس کی طرف دیکھ کر ہولے سے بولی۔ شعیب کی آنکھوں میں ایک چمک آئی۔ ''ایگزیکٹلی...... یہی کہا تھا انہوں نے۔''

''لل...... لیکن...... شعیب...... یہ...... یہ...... سب مجھ سے نہیں ہو پائے گا...... کہ...... میں پہلے...... کسی اور کی...... اور پھر تمہاری...... کیا آپ...... یہ برداشت کر لو گے......؟'' اب روبی بھی سنجیدگی کے ساتھ اس گمبھیر مسئلے پر سوچنے لگی تھی۔ شعیب کی محبت اور اس کی بے تابی نے بالآخر اسے ایک بار پھر جیت لیا تھا۔ شعیب بولا۔ ''روبی! یہی ایک شرعی حل ہے، ہمارے دوبارہ ملن کا۔ اس میں اذیت تو ہے مگر شریعت کے مطابق یہی ایک رستہ ہے ہمارے پاس۔''

''مگر میرے لیے یہ سب سوہانِ روح ہوگا...... شعیب کہ میں پہلے...... ایک مرد کے نکاح میں جاؤں اور پھر اس سے طلاق کے بعد...... اتنی ہمت کہاں سے لاؤں میں یہ سب کچھ کرنے کی...... ہم...... مجھ سے شاید نہیں ہو سکے گا یہ سب......''

''میں بھی تو اس عذاب سے گزروں گا...... روبی!'' شعیب نے بھی اس کی طرف دیکھ کر ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''پلیز روبی......! دوبارہ ملن کے لیے ہمیں یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا۔''

''مگر ایسا آدمی...... کون ہوگا؟ جو یہ سب کرنے پر آمادہ ہو جائے؟'' روبی نے پُرسوچ انداز میں زیرِ لب کہا اور پھر دفعتاً ہی اس کے ذہن میں ایک نام ابھرا۔ ''اسد......''

تھوڑی دیر بعد دونوں کسی حد تک مطمئن ہو کے رخصت ہو رہے تھے۔ روبی نے شعیب کو اسد کے بارے میں بتا دیا تھا۔

☆☆☆

اسد...... آج روبی کی سج دھج دیکھ کر حیران ہی تو ہو گیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے لبوں پہ اس کے لیے مسکراہٹ بھی چمک رہی تھی۔ چہرے پہ مہربان تاثرات بھی ہلکورے لے رہے تھے۔ وہ اسے دیکھتے ہی بڑے خوشگوار لہجے میں بولی تھی۔ ''مجھے معلوم تھا آپ دوبارہ تشریف لائیں گے۔ آیئے...... پلیز۔''

اسد بے چارے پر تو شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ روبی کی طرف سے اس کی ''سواگت'' نے اسے یک گو مسرت سے دوچار کیا تھا۔ وہ اندر آ گیا۔ اس بار دونوں کے درمیان بڑے خوشگوار ماحول میں باتیں ہوتی رہیں۔ کوئی جھجک نہیں تھی، نہ ہی کھنچا کھنچا ماحول تھا۔ اسد نے بہت بے تکلفی محسوس کی تھی اس ماحول میں اور اسے بہت حوصلہ ملا تھا۔ رخصت ہوتے وقت...... روبی نے اس کا سیل نمبر لینے کی بھی فرمائش کر ڈالی تھی۔

دوسرے روز ہی اسد کو...... روبی کی کال موصول ہو گئی۔

روبی نے اسے ایک ریسٹورنٹ میں ملنے کے لیے کہا تھا۔ اسد کی تو خوشی سے حالت ہی دیدنی تھی۔ اسد اس کے ساتھ ایک شاندار کینڈل ڈنر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مگر روبی نے صرف شام کی چائے پر ہی اکتفا کیا اور آخر میں اشارہ دیا کہ وہ اس کے ساتھ کوئی اہم بات کرنا چاہتی ہے۔ روبی کی طرف سے ملاقات کے ایسے اظہار نے ہی اسد کو عجیب سی خوشی عطا کر دی تھی کہ اس کا کسی اور طرف دھیان ہی نہ جا سکا تھا اور لامحالہ وہ یہی سمجھ بیٹھا تھا کہ روبی نے شاید

اس کی دلچسپی کو بھانپ لیا تھا اور...... شاید اس کے مزاج کو بھی۔ اس لیے...... وہ...... خود ہی اس سے شادی وغیرہ کے سلسلے میں گفتگو کرنا چاہتی تھی۔

بہرطور...... دونوں کی مقررہ وقت پر ملاقات ہو گئی۔ روبی نے مناسب لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اسد کو تو ویسے ہی ڈریسنگ کا شوق تھا۔ وہ بہترین تراش کے سوٹ میں ملبوس تھا۔

چائے وغیرہ کے دوران اسد نے روبی کے دلکش چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیا اچھا ہوتا، ہم ڈنر بھی کر لیتے۔ اس بہانے ملاقات کی طوالت میرے لیے مزید خوشی کا باعث بنتی۔'' اسد نے دیکھا، روبی کے چہرے پر ایک گمبھیر سنجیدگی طاری ہو گئی تھی اور اس کے ایک ہاتھ کی مخروطی انگلیاں میز پر دھری...... چائے کی نفیس پیالی سے کھیل رہی تھیں۔ اس میں اضطراب پایا جاتا تھا۔

''اسد صاحب!...... آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کو یہاں کیوں بلایا ہے؟'' اچانک روبی نے اس کی طرف نگاہیں اٹھا کر کہا۔ اس کو اس کی بات عجیب بھی محسوس ہوئی تھی اور خوشی کا گمان بھی کہ روبی اس کے بارے میں کیا ویسا ہی سوچ رہی تھی، جو وہ اس کے بارے میں بہت پہلے ہی سے سوچ چکا تھا......؟

تاہم وہ مسکرا کر بولا۔ ''نن...... نہیں شاید۔''

روبی کو یہ احساس پہلے ہی ہو چکا تھا کہ اسد اس سے کیا چاہتا ہے مگر وہ اسے مزید کسی خوش گمانی میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتی تھی لہٰذا فوراً مطلب کی بات پر آتے ہوئے متانت سے بولی۔

''اسد صاحب!...... ہم دونوں بلاشبہ پرانے اور اچھے شناسا رہ چکے ہیں اور ایک اچھے یونیورسٹی فیلوز بھی۔ مجھے اندازہ ہے آپ کے بارے میں کہ آپ ایک بہت نفیس اور اچھے دوست ہی نہیں اچھے انسان بھی ہوں گے...... شاید اس لیے مجھے آپ سے یہ کہنے کی ہمت ہو پا رہی ہے کہ میں آپ سے آج کچھ مانگوں گی تو آپ کھلے دوستانہ دل سے مجھے وہ شے عنایت کرنے میں کوئی عار بھی محسوس نہیں کریں گے۔''

روبی کی بات پر اسد کے اندر مسرتوں کے دیے چمکنے لگے...... وہ اپنی خوش گمانی میں جانے کیا کیا خوش فہم اندازے قائم کرتا چلا گیا۔ اس کا جی چاہا وہ آج کھل کر روبی کے سامنے اپنی پرانی محبت کا اعتراف کر ڈالے کہ...... جس کے اظہار کی وہ آج تک ہمت ہی نہ کر سکا تھا مگر...... دماغ نے سمجھایا...... منزل تو خود ہی چل کر اس کے قریب آ رہی ہے۔ اب جلد بازی کی کیا ضرورت ہے، بولا۔ ''روبی صاحبہ! مجھے خوشی ہوئی ہے، آپ کی بات سن کر کہ آپ

میرے بارے میں اس قدر اچھی رائے رکھتی ہیں...... شاید میں اپنی کوتاہ بینی اور کم عقلی کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ پایا کہ...... پتا نہیں آپ مجھ سے کیا شے لینا چاہتی ہیں؟''

''میں آپ سے ایک مدد لینا چاہتی ہوں، اسد صاحب!'' روبی نے فوراً کہا۔

''مدد؟'' اسد کے چہرے پہ الجھن کے تاثرات نمودار ہو گئے۔

''ہاں...... اسد صاحب!...... مدد...... اور مجھے پوری امید ہے کہ آپ میری مدد کرنے سے بالکل بھی انکار نہیں کریں گے۔''

روبی نے اس بار اپنے لہجے پر زور دیتے ہوئے کہا جبکہ اسد کے چہرے پہ ہنوز الجھن آمیزی کے تاثرات موجود تھے اور وہ بہ دستور مستفسرانہ سی نظروں سے روبی کے چہرے کو تکے جا رہا تھا تاہم اسے خاموش پا کر بولا۔

''روبی صاحبہ! آپ کو کس قسم کی مدد درکار ہے مجھ سے؟''

وہ اس قدر ہی کہہ پایا تو روبی نے اپنی گھنیری پلکوں کو کچھ بھینچ کر اوپر اٹھایا تو اسد کو بہ غور اپنی طرف دیکھتا پا کر بولی۔ ''اسد صاحب! میں بہت پریشان ہوں اور ایسے میں آپ جیسے دوست کا ساتھ مجھے اس پریشانی سے نکال سکتا ہے۔ میں آپ سے بہت پُرامید ہوں اسد صاحب!'' کہتے کہتے روبی کی آواز اور لہجہ رندھ سا گیا۔

اسد بے چین ہو گیا۔ اس نے فوراً روبی کا نرم و نازک ہاتھ دھیرے سے تھام لیا جو ہنوز چائے کی ادھ بھری پیالی سے الجھا ہوا تھا۔ روبی نے نم ناک نگاہوں سے اسد کی طرف دیکھا البتہ اپنے ہاتھ کو اسد کی گرفت سے نہیں چھڑا پائی۔ اس نے وارفتگی سے کہا۔

''پلیز روبی! آخر بات کیا ہے، مجھے بتاؤ تو؟'' اور پھر روبی نے ہولے سے اپنا ہاتھ چھڑانے کے بہانے چائے کی پیالی تھام لی۔ اسد نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا اور اس کے بعد روبی دھیرے دھیرے اسے وہ ساری بات بتانے لگی، جس کے لیے وہ کافی دنوں تک سوچتی اور اپنے اندر ہمت پیدا کرتی رہی تھی کہ...... وہ یہ سب اسد سے کس طرح کہے گی؟ مگر اب وہ یہ سب کہہ چکی تھی۔ اسد کے چہرے پہ سناٹے اتر آئے تھے۔ وہ جیسے اپنی جگہ دم بہ خود سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے اندر ہلچل سی مچنے لگی۔ دل و دماغ جیسے شائیں شائیں کرتی آندھیوں کی زد میں آ گیا تھا۔ وہ گم صم سا ہو کر رہ گیا۔ روبی دزدیدہ نگاہوں سے اس کے خاموش چہرے کو تکتے ہوئے شاید اس کی اندرونی کیفیات کو بھانپنے کی کوشش کر رہی تھی اور

سمجھ رہی تھی کہ اسد کے لیے یقیناً یہ بات کس قدر شاکنگ ہو سکتی ہے۔ روبی کو اپنے لبوں پہ خشکی کا احساس ہوا۔ اس نے زبان ہونٹوں پہ پھیری اور اسد کی طرف دیکھ کر بولی۔

''اسد صاحب! یہ باتیں ایسی تو نہ تھیں کہ میں خود آپ سے کرتی مگر مجبوری تھی میری کہ...... آپ جیسا... قابلِ اعتبار، قابلِ بھروسا شخص کوئی تھا ہی نہیں اور پھر آدمی اس سے ہی مدد مانگتا ہے نا جس سے اس کو امید بھی ہو۔ مجھے آپ سے واثق امید تھی، اب آپ کی مرضی ہے...... مجھ بدنصیب کو ٹھکرا دیں یا پھر میری بے پندار ناؤ کو ساحلِ امید تک پہنچا دیں۔'' اسد کو روبی کا لہجہ سسکتا ہوا فریاد رسا محسوس ہونے لگا۔ وہ اندر ہی اندر روبی سے محبت کرتا تھا۔ بہت پہلے سے، اسے چاہتا آیا تھا۔ پسند کرتا آیا تھا پھر تقدیر نے اچانک اسے اپنی گم گشتہ مگر خاموش محبت سے ملوا بھی دیا۔ وہ اس وقت شعیب کی بیوی تھی مگر اسد جیسے ناکام اور درماندہ عاشق نامراد کے لیے یہ بھی کیا کم تھا کہ اس کا محبوب چاہے اب کسی اور کا سہی، اس کی نظروں کے سامنے تو رہتا تھا۔ پھر یوں ہوا، روبی کو اس کے شوہر شعیب نے طلاق دے ڈالی۔ اسد کے لیے یہ ایک غیر متوقع خبر تھی...... اسے دکھ بھی ہوا تھا ...... وہ اتنا خود غرض نہ تھا کہ خوش ہوتا مگر اسد جانتا تھا تقدیر کے آگے کس کا بس چلتا ہے۔ ہوا وہی جو ہونا تھا۔ اس نے ایک نخلِ امید کے سہارے اپنے قدم روبی کی طرف بڑھا دیے تھے۔ وہ اسے سہارنا اور تھامنا چاہتا تھا۔ جب اس خوش امیدی میں اس نے روبی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو عقدہ کھلا کہ اسے تو خود تھامنے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔

اس نے روبی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ صرف ایک گہری اور دکھی سانس کھینچ کر رہ گیا اور اٹھ کر وہاں سے چلا آیا۔ وہ سارا دن اپنی عجیب و غریب محبت کا ماتم ہی کرتا رہا جس کے نصیب میں کوئی منزل نہ تھی، سوائے محرومیوں کے سنگِ میل کے...... اس کا سفر بے معنی اور بے منزل ہی رہا۔ کہاں تو اسے اپنی منزل اچانک ہی اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگی تھی اور کہاں...... ایک بار پھر مل کر منزل خود اس سے دور جانے کا کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار روبی کا فریاد رسا، ملتجیانہ چہرہ ابھر رہا تھا۔ کس قدر امید تھی روبی کی نگاہوں میں جو اس نے اسد سے وابستہ کر رکھی تھی۔ وہ سوچنے لگا...... کیا اس کی محبت کا بس اتنا ہی نصیب تھا کہ وہ ایثار کے لیے ہی کام آتی اور پھر حرفِ غلط کی طرح مٹا دی جاتی؟ بہ الفاظِ دیگر پھینک دی جاتی...... وہ سوچتا رہا۔ فیصلہ کرتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہیے...... محبت کا نصیب صرف منزل ہی تو نہیں ہوتی، قربانی بھی ہوتی ہے اور محبت اصل میں قربانی دے کر ہی امر ہوتی ہے۔ مگر کیا وہ روبی کو پانے کے بعد چھوڑ پائے گا؟

اگلے دن روبی کا اس کے سیل فون پر رابطہ ہوا اور اسد نے ہاں کہہ دی۔

☆☆☆

بہت سادہ تقریب ہوئی تھی۔ اسد اور روبی رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو گئے اور پھر جب طے شدہ معاہدے کے تحت روبی کو طلاق دینے کا وقت آیا تو اسد کے لیے یہ بڑا اذیت ناک لمحہ تھا۔ اس نے روبی کے آگے ہاتھ جوڑ دیے اور کسی معصوم بچے کی طرح ضد کرنے لگا۔

''مجھے مت چھوڑو...... پلیز...... روبی!''

اس نے دل کی گہرائیوں سے، بڑے عمیق لہجے میں بالکل گریہ وزاری کے سے انداز میں اس کی منت سماجت کی تھی۔ روبی نے اس کے عمیق لہجے میں بے چارگی اور التجا کو واضح طور پر محسوس کیا تھا۔ یہ بھی کہ وہ یعنی اس کا شوہر اسد اس سے دیوانہ وار اور بے انتہا محبت کرتا ہے جس کی شدت اس کے مجبور سے لہجے سے ہی نہیں آنکھوں سے بھی عیاں تھی۔ ان احساسات سے قبل ہی روبی کو یقین کی حد تک علم تھا کہ اسد شادی سے پہلے ہی اس کی محبت میں مبتلا تھا۔ پھر شادی بھی کچھ ایسے حالات میں ہوئی کہ اسد کی یہ خوشی، روبی سے متوقع جدائی کے اندیشناک خوف ہی کا شکار رہی اور بالآخر وہی ہوا کہ روبی کو چھوڑنا اس کی مجبوری بن گئی اور روبی کی ضرورت...... مگر وہ اب بچوں کی طرح، نم ناک آنکھوں میں التجا کے اشک سموئے اس کے آگے ساتھ نبھانے کی بھیک مانگ رہا تھا۔

''روبی! مل کے بچھڑنا میرے لیے بہت زیادہ اذیت ناک ہوگا۔ میں تم بن نہیں رہ پاؤں گا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ تمہارا اور میرا ملن ہی نہ ہوتا۔ وہ میرے لیے ایک غم نارسائی تو ہوتا...... مگر اب...... یوں...... تمہارا مل کے بچھڑنا میرے لیے زیادہ کرب ناک اور اذیت انگیز ہوگا۔''

کہتے ہوئے اس نے بڑی بے تابانہ تڑپ سے روبی کا نرم و گداز ہاتھ پکڑ لیا۔ روبی کو اس کے مردانہ ہاتھ کی سختی اور گرفت نے ایک لمحے کو خوف زدہ سا کر دیا تھا۔ مجبوراً اسے اپنی زبان پر سختی لانا پڑی۔ بہت دھیرے سے اس نے پہلے اپنا ہاتھ چھڑایا پھر بولی۔

''اسد! میں نے پہلے ہی تم پر ساری بات واضح کر دی تھی تاکہ تم بھی ذہنی طور پر اس کے لیے تیار رہو پھر...... میں

نے تم پر بھروسا بھی تو کیا تھا اسد!...... اور کچھ سوچ کر ہی تمہارا انتخاب کیا تھا کہ صرف تم ہی لائقِ اعتبار اور ایک شریف مرد ثابت ہو سکتے ہو میرے لیے...... خدا کے لیے اپنا یہ اعتبار اور میرا یہ مان، میرے اندر اسی طرح آباد رہنے دو۔ میں تاعمر تمہاری ممنون و احسان مند رہوں گی۔ مجھے اس بات پر ہمیشہ فخر رہے گا کہ تمہارے سلسلے میں میرا انتخاب غلط نہ تھا۔ پلیز اسد! لیوی...... ناؤ فار مائی سیک......''

اسد کا جیسے ایک چھناکے سے سب کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ روبی کے بے رحم لفظوں نے اسے باور کرا دیا تھا کہ اب سوچنے سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اسے اب اپنی محبت کو، اپنی روبی کو چھوڑنا ہی تھا۔ ہمیشہ کے لیے۔ ایک لمحے کو اس کے...دل میں سرکشی نے بھی سر ابھارا تھا۔ انتہائی دکھ کے احساس تلے...... ایک ایسے خیال نے اسے جبر پہ اکسایا بھی تھا مگر پھر...... تیشۂ محبت نے جیسے ایک ہی وار سے اس کے دلِ مجبور میں ابھرنے والی سرکش لہر کو مٹا ڈالا۔

میز پر رکھے اسٹامپ پیپر پہ قلم پڑا ہوا تھا۔ اسد نے کپکپاتے ہاتھوں سے قلم اٹھایا، ایسے میں اس کا دل ڈوب ڈوب رہا تھا۔ روح تک جھیروں جھیر ہو رہی تھی۔ ایک آخری ملتجیانہ، عاجزانہ اور فقیرانہ نظر اس نے سامنے کھڑی روبی کے چہرے پر اس امید سے ڈالی کہ شاید وہ اسے ایسا کرنے سے روک دے۔ مگر روبی کے سپاٹ چہرے نے اس کے اندر کے مایوس اندھیاروں کو مزید سوا کر دیا۔

بالآخر اس نے روبی کو طلاق دے دی۔

☆☆☆

عدت کے بعد وہ دونوں ایک بار پھر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے یعنی...... شعیب اور روبی۔ شعیب روبی کو دوبارہ پا کر بہت مسرور تھا مگر روبی جیسے کہیں کھو گئی تھی۔ انسان کوئی ایسا عمل کر گزرے جو وہ نہ کرنا چاہتا ہو تو، بعد میں اسے یہ احساس کچوکے ضرور لگاتا ہے۔ روبی خود سے بارہا سوال کر چکی تھی کہ اس نے آخر کیا سوچ کر اسد کا انتخاب کیا تھا؟ جو اس سے محبت کا دم بھرتا تھا۔ آخر ایسے انسان کو ہی اس نے اپنی غرض کی خاطر قربانی کا بکرا کیوں بنایا تھا جو اس کی محبت کا ایک خاموش دعوے دار تھا؟ روبی کو خود سے ندامت محسوس ہونے لگی۔ اس کے خیال میں یہ اس کی ایک گھٹیا حرکت تھی کہ اس نے اسد کی یکطرفہ محبت کو آزمایا تھا۔ وہ تو اپنی محبت میں قربانی دے کر سرخرو ہو گیا تھا اور اس نے اپنا قد بھی روبی سے اونچا کر لیا تھا جبکہ روبی اب خود کو بہت چھوٹا محسوس کرنے لگی تھی۔ اسے اپنی عزتِ نفس مجروح ہوتی محسوس ہونے لگی تھی۔ شعیب اپنی دھن میں مگن تھا، اسے روبی کے اندر...... اس کی ذات میں ہونے والی شکست و ریخت کا بالکل اندازہ نہ تھا۔ ہوگا بھی تو اس کی اسے پروا نہ تھی مگر روبی اپنی ذات میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ پتا نہیں کیا بات تھی' روبی کو اس بار شعیب کے ساتھ زندگی بتاتے ہوئے وہ فخر، وہ مان اور وہ مسرت محسوس نہیں ہو رہی تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ اب اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ شعیب کے ساتھ یہ زندگی مستعار لے کر اور چار و ناچار گزار رہی ہو۔ یہ زندگی اسے روکھی پھیکی محسوس ہونے لگی تھی۔ روبی نے بارہا کوشش کی تھی کہ ایک بھیانک خواب سمجھ کر وہ سب بھلا دے جس نے اس کے اندر کی عورت کو مجروح کیا تھا، مگر ایسا نہ ہو پایا تھا۔

زندگی گویا ایک سمجھوتے کے ساتھ گزر رہی تھی۔ شعیب نے اس کی وقت گزاری کی خاطر اسے دوبارہ اپنے کوچنگ سینٹر میں مصروف کر دیا تھا۔ یوں وہ ایک بار پھر ایڈمن کی حیثیت سے مصروف ہو گئی تھی۔

☆☆☆

روبی کو اب اپنی زندگی میں ایک بے نام سے تلخی گھلی گھلی محسوس ہونے لگی تھی۔ اگرچہ شعیب اسے ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا۔ مگر روبی اسے جس نظر سے دیکھنا چاہ رہی تھی، وہ اس نظر میں نہیں آ پا رہا تھا۔ وہ خود کو تو چھوٹا محسوس کر ہی رہی تھی مگر شوہر کو وہ بلند دیکھنا چاہتی تھی اور جب بھی وہ ایسا سوچتی یکدم اسد اس کے شوہر شعیب کے مقابل آن کھڑا ہوتا اور روبی کو شعیب کے مقابلے میں اسد زیادہ قد آور، باوقار اور غیرت مند محسوس ہونے لگتا تھا۔ وہ جھلا جاتی۔ بات اب پہلے جیسی کچھ پنپ نہیں رہی تھی۔ بہرطور وقت گزرتا رہا۔ وقت بہت بدلحاظ ہے، رکتا نہیں ہے۔ تقدیر کی طرفہ کاری اور تماشا سازی شاید ابھی باقی تھی۔ روبی کے پاؤں بھاری ہونے لگے۔ ماں بننے کے احساس نے اسے یکدم ہی سرشار کر ڈالا کہ اسے اپنے اندر کی ساری کدورت دھلتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ انہونی کیسے ہو رہی تھی...... مگر ہو چکی تھی۔ خدا کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔ روبی کو تو اپنے بارے میں پہلے ہی سے علم تھا کہ وہ بالکل نارمل تھی، اس میں کوئی نقص نہیں تھا۔ جو اہم ''ایشو'' بہت پہلے شعیب اور روبی کے درمیان ایک حساس تنازعے کی شکل اختیار کر گیا تھا اور جس کے نتیجے میں دونوں کے درمیان طلاق بھی واقع ہو گئی تھی، اب وہ دوبارہ بڑے بھیانک انداز میں ابھرا تھا کہ جس کا روبی کو تو

احساس نہ ہوا البتہ شعیب کو یکدم چپ سی لگ گئی۔

روبی کے تو خوشی کے مارے زمین پر پاؤں نہیں ٹک رہے تھے۔ اس نے خوشی کے بے پایاں اظہار کے دوران شعیب سے کہا بھی تھا۔

''دیکھو شعیب! اللہ نے آخر ہماری سن ہی لی۔ میں نہ کہتی تھی مایوسی گناہ ہے۔ یہ سب اسی کی دین ہے۔ وہ جب چاہے دے۔'' شعیب نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

شعیب، جو اپنی محبوب بیوی روبی کو دوبارہ پا کر خوش اور شادمان تھا، بچے کی آمد کی خبر اس کے لیے بھی مسرت کا پیغام بن سکتی تھی مگر اب...... ایسا نہیں تھا۔ اس کے اندر بڑے زہریلے احساسات اور سوچیں کوڑیالے ناگ کی طرح پھن اٹھا اٹھا کر پھنکاریں مار رہے تھے...... یہ بچہ کس کا ہے؟ کس کا ہو سکتا ہے؟...... شعیب کو یوں لگا جیسے اس بار وہی پرانا مسئلہ ...... زہریلے ناگ کی طرح دوبارہ پھن کاڑھے کھڑا ہو گیا ہے۔

شعیب کو ایک گم صم سی سوچ نے آلیا تھا۔ شعیب کو یاد تھا۔ طلاق سے پہلے اس کی روبی سے شادی کو دس بارہ سال کا عرصہ بیت چکا تھا اس دوران روبی کی گود خالی رہی تھی جس نے روبی کو ایک غم ناک سی اداسی میں مبتلا کیے رکھا تھا۔ پھر وہ بہ ضد ہوتی رہی تھی کہ اپنا اور اس کا میڈیکل چیک اپ ہونا چاہیے۔ اس پر شعیب کو سختی سے اعتراض رہا۔ مگر روبی نے اپنا طبی معائنہ کروا ہی لیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے اسے ہر طرح سے صحت مند اور فٹ قرار دیا جبکہ شعیب نے روبی کے... بہ صد اصرار کے باوجود اپنا طبی معائنہ کرانے کی ضرورت محسوس ہی نہ کی بلکہ وہ برافروختہ ہو گیا۔ یہ معاملہ بعد میں اتنا سنگین صورت اختیار کر گیا جو بالآخر طلاق پر منتج ہوا۔ شعیب کو بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور دونوں نے مل کر مراجعت کی راہ نکالی۔ اسد کو قربانی کا بکرا بنایا گیا کیونکہ مراجعت کی اب یہی صورت تھی کہ روبی حلالہ کے عمل سے گزر کے دوبارہ اپنے سابق شوہر شعیب کے عقد میں آتی۔ لہٰذا روبی کا اسد کے ساتھ نکاح ہوا، میاں بیوی کی شریعت پوری کرنے کے بعد حلالہ جائز ہوا اور روبی پہلے سے ایک طے شدہ معاہدے کے تحت اسد سے طلاق لے کر دوبارہ اپنے سابقہ شوہر شعیب کے عقد میں آگئی۔

یہ وہ باتیں تھیں جو اب روبی کے ماں بننے کے بعد ایک بار پھر شعیب کے دماغ میں ایک نئے مردانہ قسم کا خناس ابھارنے کا سبب بن رہی تھیں تاہم کچھ ابہام تھا جس کے لیے شعیب نے سوچا کہ وہ اپنا طبی معائنہ کروالے مگر روبی کو نہ بتائے۔ شعیب کو اب شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی کہ جس بات کو اس نے خود ایک سلگتا ہوا ایشو بنایا تھا، اب خود ہی اس پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس نے جلد ہی اپنی شرمندگی پر قابو پایا اور ایک معروف کنسلٹنٹ سے اپنا چیک اپ کروالیا۔ جب رپورٹ اس کے ہاتھ میں آئی تو وہ سن ہو کر رہ گیا۔ وہ باپ بننے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ ایک خنجر تھا جو اس کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔ اس کی مردانہ انا کو ٹھیس پہنچی تھی۔ ایک بار پھر اس کے اندر کا انا پرست مرد انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا تھا۔ مگر اب وہ کیا کر سکتا تھا۔ وہ روبی سے بھی کچھ نہیں کہہ سکا۔ تاہم یہ بات اب طے ہو چکی تھی کہ روبی کا ہونے والا بچہ اس کا نہیں بلکہ...... اسد کا تھا۔ شعیب اندر سے گھٹ کر رہ گیا۔ وقت اور حالات نے اس کے لب سی دیے تھے۔ وہ سرِدست مہر بہ لب ہو کر رہ گیا تھا۔

روبی نے ایک پیارے اور صحت مند سے بچے کو جنم دیا تھا۔ اس کا نام روبی نے ہی رکھا تھا، احمد...... وقت گزرتا رہا اور تقدیر انسانی ہاتھوں کی لکیروں کو ان کا اسیر بناتی اپنا تماشا دکھاتی رہی۔ شعیب کو خاموش اور چپ چپ سا پا کر روبی بھی کبھی کبھی کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتی تھی اور شاید وہ بھی اس کی وجہ اپنے تئیں جاننے کی کوشش کرنے لگی تھی اور سب کچھ سمجھ کر وہ بھی گویا مصلحتاً چپ رہتی تھی۔ سمجھوتے پر ایک عمر تمام ہو جاتی ہے۔ ان کو بھی بیس برس تمام ہو گئے۔ احمد اب جوان ہو چکا تھا، شکل و صورت کا بھی خوبرو تھا وہ بی سی ایس کر چکا تھا۔ اب آئی ٹی کر رہا تھا۔ اس کے اندر بھی ایک شخصیت پنپنے لگی تھی ایک شخص تھا جو بہت دھیرے دھیرے اندر بیدار ہونے لگا تھا۔ احمد ایک ذہین اور حساس نوجوان تھا۔ روبی کے بالوں میں چاندنی چھٹکنے لگی تھی۔ شعیب بھی وقت کو خراج دیتے دیتے تھکا تھکا نظر آنے لگا تھا۔ نظر کا چشمہ تو وہ پہلے بھی استعمال کرتا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ چشمے کے عدسے موٹے ہو گئے تھے۔ سر کے بال سفید...... باوجود کوشش کے وہ احمد کو باپ جیسی شفقت اور پیار نہ دے سکا تھا جس کا قلق نہ صرف روبی کو بلکہ احمد کو بھی تھا۔ شعور کی منزل تو بعد کی بات تھی۔ بچہ تو احساسات کی زبان جلد سمجھ لیتا ہے۔

احمد جب بچہ تھا تو اس نے ماں کو ہی ہمیشہ اپنے قریب پایا تھا۔ باپ کی اسے وہ توجہ نہیں حاصل ہوئی تھی، جو اس کا حق بھی تھی۔ روبی کو وجہ معلوم تھی مگر چونکہ وہ پہلے ہی ایک پل صراط سے گزر چکی تھی...... اس لیے دوبارہ اس میں اس کی ہمت نہ تھی۔ اس لیے اس نے بھی اب تک مصلحتاً خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ احمد جوان ہو گیا۔

صغیر سنی سے کبیر سنی تک احمد کو اس تلخ حقیقت پر پختہ یقین ہو چلا تھا کہ اس کا باپ شعیب اس سے وہ پدرانہ محبت و شفقت نہیں کرتا جو اسے کرنی چاہیے تھی۔ نتیجتاً احمد بھی اس سے کھنچا کھنچا رہنے لگا تھا۔

شعیب اور روبی کے درمیان اب ایک خاموشی...... تالے کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ وہ کسی ایسی بات پر بحث کرنے سے گریزاں ہی رہتے تھے۔ جس سے ماضی کے حوالے سے کوئی چنگاری بھڑک کر گھر کا سکون چھین لے کیونکہ اب شاید دونوں ہی تھک چکے تھے۔ کسی نئی پریشانی یا مہذبانہ ذلت کو برداشت کرنے کے اہل نہیں رہے تھے۔

احمد نے کئی بار اپنی ماں (روبی) سے پہلے اشاروں کنایوں میں پھر واضح لفظوں میں جاننا بھی چاہا تھا کہ باپ کا اس کے ساتھ ایسا رویہ کیوں تھا؟ جیسے...... جیسے وہ ان کی اولاد ہی نہ ہو...... روبی، بیٹے کی اس بات پر دہل سی جاتی۔ وہ اسے کیا بتاتی، یہ کیا معاملہ تھا اور کس قدر گمبھیر بھی...... نیز ان کے والدین کے درمیان طلاق بھی ایک بار ہو چکی تھی اور اس کی ماں...... حلالہ کرنے کے بعد دوبارہ اس کے باپ کے عقد میں آئی تھی۔ بیٹے کو یہ حقیقت بتانا روبی کے لیے بلکہ ایک ماں کے لیے احساسِ شرمندگی کی سولی پر لٹکنے کے مترادف ہی تھا۔ اس لیے وہ اس اہم راز کو راز میں ہی رکھنا چاہتی تھی۔ آخری دم تک...... مگر یہاں معاملہ تو اس سے بھی زیادہ سنگین تھا اور وہ تھا نسل کا...... کیونکہ احمد آج تک اپنے باپ کی سرد مہری اور عدم شفقت کی وجہ تو نہ جان سکا تھا تاہم روبی تو اسی روز سے کھٹک گئی تھی جس دن احمد کی پیدائش ہوئی تھی اور مصلحتاً اس نے بھی ایک غیر استفساریہ خاموشی طاری کر رکھی تھی۔ پھر ایک روز اچانک روبی کے ہاتھ شعیب کی وہ میڈیکل رپورٹ لگ گئی جس میں بتایا گیا تھا کہ وہ باپ بننے کی اہلیت سے محروم تھا۔ تب...... روبی بھی دھک سے رہ گئی تھی۔ سمجھ تو گئی تھی مگر اب اسے اس کی وجہ بھی سمجھ آچکی تھی کہ شعیب، احمد سے کھنچا کھنچا اور بے اعتنا سا کیوں رہتا تھا۔

بات واضح تھی، احمد...... شعیب کا نہیں...... اسد کا بیٹا تھا۔

روبی سمیت شعیب کے لیے بھی یہ ایک گمبھیر اور حساس نوعیت کی سنگین صورتِ حال تھی جس پر چپ سادھ لینا ہی دونوں کے لیے زیادہ بہتر تھا۔ ورنہ ایک بار پھر ان کی زندگی کالے طوفانوں کی زد میں آسکتی تھی۔ یہی سبب تھا کہ جب یہی سوال، احمد کے جوان ہونے پر اس کی زبان پر آیا تو روبی دہل گئی مگر وہ اسے ٹالنے کے سوا اور کیا کر سکتی تھی کہ اس کے باپ کا مزاج ہی ایسا تھا۔

احمد کے شعور میں جب تک لڑکپن تھا تو وہ ماں کا یہ جواب سن کر چپ ہو جایا کرتا تھا مگر جب شعور میں کچھ پختگی آئی تو...... اسے کچھ ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ بات محض اتنی سی نہ تھی جتنی اس کی ماں اسے بتا کر محض مطمئن کرنا چاہتی تھی۔

اس کے اندر اپنے باپ سے متعلق کھوجنے کا غبار گہرا اور کثیف ہونے لگا۔ وہ اس کی وجہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر ایسا کیوں تھا؟ کہ وہ صرف اپنی ماں کا لاڈلا تھا جبکہ باپ اسے ہمیشہ نظر انداز کر دیا کرتا تھا حالانکہ وہ ان کی اکلوتی اولاد تھا۔ پھر کیوں وہ صرف اپنی ماں کی آنکھ کا تارا تھا، باپ کا وہ کچھ بھی نہیں تھا؟

☆☆☆

احمد اپنی تعلیم مکمل کر چکا تھا۔ یونیورسٹی میں اس روز الوداعی تقریب کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس لیے فارغ التحصیل ہونے والے طلبا کے والدین کو بھی خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ یہ پرائیویٹ یونیورسٹی تھی اور اس کا معیار کافی بلند تھا۔ احمد کے ساتھ حسبِ معمول صرف اس کی ماں روبی تھی۔ تقریب میں تقسیم اسناد کے علاوہ یونیورسٹی میں گزارے ہوئے ماہ و سال کے حوالے سے چیدہ چیدہ طلبا کو ڈائس پر آکر اپنے تاثرات کا مختصراً اظہار بھی کرنا تھا۔ تقریب میں دیگر فیکلٹیز کے طلبا بھی تھے۔ احمد اپنے تاثرات کا اظہار کر کے واپس اپنی ماں کے پاس آکر بیٹھ گیا، سب سے آخر میں ایک جواں سال لڑکی مصباح نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا تو احمد اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ مصباح کا تعلق آرٹ فیکلٹی سے تھا۔ احمد کو حیرت تھی کہ اتنا عرصہ یونیورسٹی میں رہتے ہوئے وہ اس ماہ وش سے بے خبر ہی رہا تھا۔ شاید اس کی کچھ وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ دوسرے شعبے سے تعلق رکھتی تھی، دوسرے یہ کہ احمد کی خود اپنی شخصیت ذرا لیے دیے رہنے والی تھی۔ وہ کسی سے زیادہ گھلنے ملنے کا عادی نہ تھا۔ خاموش طبع اور اپنی پڑھائی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے دوست بھی گنتی کے تھے، ان سے بھی وہ کم کم ہی ملتا تھا۔

وہ آج پہلی بار خوب صورت دوشیزہ کو یک ٹک تکے جا رہا تھا۔ اس کے لہجے میں لطافت تھی، آواز میں ترنم تھا۔ دونوں ہی خوبیاں اس کی دلکش حسین شخصیت سے ہم آہنگ تھیں......

جسم کو زندہ رہنے کے لیے دل کا دھڑکتے رہنا ضروری ہوتا ہے مگر ان دھڑکنوں میں اگر سازِ حیات کے علاوہ سازِ الفت بھی شامل ہو تو دل گویا یکتارا بن جاتا ہے۔ جو ایک ہی دھن بجاتا ہے کہ

اے وحشتِ دل کیا کروں......؟

وہ ابھی اس نازنین حسن دل آرا کی مدھربانی میں کھویا ہوا تھا کہ...... دفعتاً اسے اپنے قریب میں بیٹھی ماں کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی جس نے اس کی محویت کا سحر توڑ ڈالا۔

''ارے فاخرہ! تک...... کیا یہ تم ہو؟'' یہ اس کی ماں کے پُرتحیر الفاظ تھے جو اس نے اپنے ساتھ بیٹھی ایک اپنی ہم عمر خاتون سے کہے تھے۔ وہ بھی ان کی طرف متوجہ تھی۔ پھر تو جیسے باتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ فاخرہ بھی اپنی کئی برس پرانی کولیگ روبی کو پہچان چکی تھی، فاخرہ...... روبی کے شوہر شعیب کے کوچنگ سینٹر میں ہی جاب کرتی تھی۔ اگرچہ روبی کا رویّہ فاخرہ کے لیے ایک باس کا تھا...... مگر دونوں کے آپس میں دوستانہ مراسم ہی تھے۔ دونوں پرانی سہیلیاں بالکل اچانک غیر متوقع اور اتفاقیہ ایک دوسرے سے مل کر رو ہی پڑی تھیں۔ دونوں باقاعدہ ایک دوسرے سے لپٹ گئی تھیں۔ پھر وہ نئی پرانی باتوں میں مصروف ہوگئیں۔ احمد بور ہونے لگا۔ اس نے دوبارہ اپنی توجہ ڈائس پر کرلی۔ وہ ماہ جبیں یعنی مصباح اب ڈائس سے فارغ ہو کے اتر رہی تھی...... ایسے میں اچانک اسے اپنی ماں کی آواز سنائی دی جو اپنی سہیلی سے کہہ رہی تھیں۔ ''یہ میرا بیٹا ہے...... احمد شعیب......''

''ماشاء اللہ بہت اسمارٹ اور پیارا ہے، ہاؤ آر یو کڈ؟''

فاخرہ نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ بڑھایا۔ احمد نے جبری مسکراہٹ چہرے پہ لاتے ہوئے خاتون سے مصافحہ کیا اور مختصراً بولا۔ ''فائن تھینکس آنٹی......!''

''لیجیے! اب ہماری بیٹی مصباح سے ملیے۔'' فاخرہ نے قریب آتی، مصباح کی طرف دیکھ کر بڑی محبت سے کہا تو احمد کو ایک خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا۔ کہاں تو وہ اپنی ماں کی اس پرانی دوست سے بوریت سی محسوس کررہا تھا اور اب جیسے ایک دم اسے خود بھی اس اتفاق پر مسرت محسوس ہونے لگی تھی۔

''بڑی پیاری بچی ہے، ہاؤ آر یو بیٹا؟'' روبی نے بھی مسکراتے ہوئے مصباح کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مسکرا کر ملی۔ روبی اور فاخرہ پرانی سہیلیاں تھیں، کافی دیر وہ باتیں کرتی رہیں، پھر سیل فون نمبرز کے تبادلے ہوئے۔ احمد اور مصباح بھی آپس میں گھل مل گئے تھے۔

''اتنا عرصہ یونیورسٹی میں رہے، کبھی آپ کو دیکھا نہیں۔'' احمد نے پُراشتیاق نظروں سے مصباح کے دلکش سراپا کو دیکھتے ہوئے مسکرا کے کہا۔

''یہی حال میرا بھی سمجھ لیں......'' وہ دلنشین مسکراہٹ سے بولی۔ ''ویسے یہ کتنا عجیب اتفاق ہے۔ میری اور آپ کی ممی پرانی سہیلیاں نکلیں۔''

''یقیناً بلکہ گم گشتہ سہیلیاں۔'' احمد نے گہری مسکراہٹ سے کہا تو مصباح بے اختیار ہنس پڑی۔ اس کے موتیوں جیسے دودھیا دانتوں کی قطار احمد کو خاصی جاذبِ نظر محسوس ہوئی۔

ان لوگوں میں اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر اپنے اپنے راستوں پر رخصت ہوگئے۔ مگر احمد تو گویا اپنے گھر کا راستہ بھول کر کسی اور ہی راہ کا راہی بن چکا تھا۔ گھر پہنچ کر وہ کافی دیر تک مصباح کے تصور جاں فزا میں کھویا رہا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کی ماں اپنی سہیلی اور ان کی بیٹی مصباح کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے۔ وہ خود ماں سے ایسا کہنے سے جھجک رہا تھا۔ اس دوران میں بدقسمتی سے روبی کا سیل فون کھوگیا اور جتنے نمبرز تھے، اس سے بھی محروم ہونا پڑا۔ اس میں فاخرہ کا نمبر بھی تھا۔ احمد کا دل گھٹ کر رہ گیا۔ روبی نہیں جانتی تھی کہ اس کا جواں سال بیٹا اس کی سہیلی فاخرہ کی بیٹی، مصباح کو اپنا دل دے بیٹھا ہے...... وہ اداس اور کھویا کھویا سا رہنے لگا۔ روبی کو بیٹے کی اندرونی کیفیات کا بالکل اندازہ نہ تھا۔

چند دن گزرے، احمد اپنے ایک قریبی دوست حارث کے ساتھ شاپنگ کرنے نکلا۔ ایک معروف شاپنگ مال میں احمد کی نظر دو سہیلیوں کے درمیان کھڑی تیسری پر پڑی اور...... جیسے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ وہ مصباح تھی۔ وہ دوست کو چھوڑ کر تیر کی طرح مصباح کی طرف یوں کھنچا چلا گیا جیسے اس میں مقناطیسی قوت ہو۔ یہی نہیں قریب پہنچنے پر مصباح کی بھی نگاہ جیسے ہی احمد پر پڑی تو وہ بے اختیار خوشی سے دمک گئی۔ اس کا رخِ روشن مزید چمک گیا۔ وہ بھی اپنی دونوں سہیلیوں کو چھوڑ کر بے اختیار اس کی طرف لپکی۔ دل کو دل سے راہ شاید اسی کو کہتے ہیں۔ دونوں کے چہروں پہ پھول جیسی خوشی چمک رہی تھی۔ قریب ہی ایک کولڈ ڈرنک کارنر تھا۔ وہ وہاں جا بیٹھے۔ احمد نے اسے بتایا کہ اس کی مما کا سیل فون کھو جانے کے باعث ان سے رابطہ نہ ہوسکا تھا۔

بہرطور...... دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور جب گفتگو کا رخ احمد کی جانب سے پسند ناپسند اور محبت کی طرف مڑنے لگا تو مصباح نے فوراً بریک لگانے کی خاطر بتایا کہ وہ اس سے سینئر ہے لہٰذا عمر میں کچھ بڑی بھی ہے اس لیے معذرت مگر...... دل کے آگے کب کوئی سنتا ہے۔ لاکھ بند باندھنے کے باوجود محبت کا ریلا دونوں کو بہا کرلے گیا لہٰذا ان کے درمیان محبت کی یہ ضرورت...... نظریۂ ضرورت سے بھی بڑھ کر مجبوری بننے والی تھی۔ ایسی مجبوری جس میں دو دلوں کی بے تابی ایک دوسرے سے منسوب ہوکر رہ جاتی اور دونوں کو ایک دوسرے کی عادت ہوجاتی ہے۔

وہ دن بلکہ وہ شام دونوں کے لیے بھی یادگار تھی کہ اس شام نے احمد اور مصباح کے ایک تعلق خاطر کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اس دن اور اس شام کے بعد پھر جیسے پیاسے اور بے قرار دلوں کا آرام و سکون چھن گیا۔ شوقِ دل میں ملن کی تحل امید تابندہ تھی۔ یہ امید...... خواب فردا کو ایک درخشاں مستقبل کی نوید دیتی تھی۔ اس لیے بھی کہ دونوں کی مائیں آپس میں نہ صرف گہری بلکہ پرانی سہیلیاں بھی تھیں۔

مصباح ایک بار اپنی ماں فاخرہ کے ساتھ ان کے ہاں آ بھی چکی تھی۔ احمد اور روبی بھی جا چکے تھے۔ دونوں بچوں کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی اس لیے روایتی ماؤں کی طرح فاخرہ اور روبی کو بھی ان کی شادی کی فکر تھی۔ مگر یہ فکر ان کے بچوں نے حل کر دی۔ جب ایک دن احمد نے اپنی ماں روبی کے گوش گزار کر دیا کہ وہ ان کی سہیلی کی بیٹی کو پسند کرتا ہے۔

معاملہ دوستی سے رشتے داری کی طرف بڑھنے لگا تو روبی کو گھر کے سربراہ کی کھوج پڑی۔ کچھ اتفاق ایسا رہا کہ جب بھی آنا جانا ہوا تو نہ شعیب گھر پہ موجود تھا، نہ مصباح کے والد...... جو لیکچرار تھے۔

چنانچہ اس بار رشتے کی بات چیت کے لیے روبی نے شعیب کو ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ شعیب نے پہلے تو ناک بھوں چڑھائی تھی مگر پھر بے دلی کے ساتھ ہاں کہہ دی تھی۔

روبی نے اسی روز فاخرہ سے بات کی کہ وہ آج شام چائے پر اس کے ہاں آ رہے ہیں۔ فاخرہ نے بھی خوش دلی سے اثبات میں جواب دیا۔

اس شام روبی اور شعیب تیار ہو کے فاخرہ کے ہاں روانہ ہو گئے۔ ان کے گھر سے نکلتے ہی احمد اپنے کمرے کی طرف دوڑا۔ اس کا دل خوشی سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اس نے فوراً اپنے سیل پر...... مصباح سے رابطہ کیا۔ وہ بھی بہت مسرور تھی۔ احمد نے تسلی کی خاطر مصباح سے پوچھا۔

”اس بار ...... مما اور پپا دونوں آ رہے ہیں۔ تمہارے ڈیڈی تو موجود ہیں نا......؟ ایسا نہ ہو ہماری بات ادھوری رہ جائے۔“

”خاطر جمع رکھو...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ دوسری جانب سے مصباح کی پرشوخ آواز ابھری۔

”ممی بھلا ڈیڈی کو اس خاص ایونٹ میں کہاں نکلنے دیں گی...... وہ بھی گھر پر ہی ہیں۔“

پتا نہیں کیا ہوا کہ...... اچانک احمد بولتے بولتے خاموش سا ہو گیا۔ مصباح نے یہ محسوس کر لیا۔ فوراً مستفسر ہوئی۔

”کیا ہوا احمد؟ تم خاموش ہو گئے؟“

وہ بولا۔ ”مصباح! تمہیں میں نے اپنے پپا کے بارے میں بتایا تھا نا کہ...... پتا نہیں وہ کیوں مجھ سے کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہیں ان کے رویے سے تمہارے ممی ڈیڈی......“

اس نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تو...... مصباح اس سے ازراہِ تشفی بولی۔

”اس کی تم فکر نہ کرو...... میں نے اس بارے میں ممی کو بتا دیا ہے اور انہوں نے یقیناً پپا کو بھی اعتماد میں لے لیا ہوگا۔“

”تھینکس مصباح! بس مجھے اس بات کا ڈر سا ہو رہا تھا۔“ احمد نے مطمئن ہو کر کہا۔

”احمد! ایک بات بتاؤ۔ کیا تم نے کبھی اس بارے میں کھوج لگانے کی کوشش نہیں کی کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ اپنی مما سے تو تم نے کبھی پوچھا ہی ہوگا؟“

جواباً احمد نے ایک طویل سانس بھری اور بولا۔ ”تم کیا سمجھتی ہو مصباح؟ اپنی زندگی کے اس اہم ایشو کو میں نے نظر انداز کر دیا ہوگا؟ ہرگز نہیں مگر مجھے اس کا آج تک تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ ڈیڈی سے تو امید ہی نہیں تھی مگر مما بھی ٹال جاتی ہیں تاہم اس استفسار پر کہ ڈیڈی کا آخر مجھ سے اس قدر اکھڑا اکھڑا اور روکھا بے اعتنا رویہ کیوں ہے؟ اس سوال پر مما کو میں کئی دنوں تک ایک عجیب سی پریشانی اور تشویش میں ہی مبتلا دیکھتا آیا ہوں پھر میری ممی سے یہ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں ہو پاتی۔“

”اوہ......“ دوسری طرف سے مصباح کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ ”یہ معاملہ گمبھیر ہی لگتا ہے احمد!...... لیکن بہرحال تم ٹینس مت ہو، اللہ بہتر کرے گا۔ بعد میں بات کرتے ہیں، میں ذرا مما کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹا رہی ہوں...... آنٹی اور انکل آنے والے ہیں نا......“ آخر میں اس کے لہجے میں شرم سی عود کر آئی اور احمد نے طمانیت بھری سانس لے کر مصباح کو رخصت دے دی۔

☆☆☆

روبی اور شعیب کار سے اترے۔ ان کا فاخرہ اور اس کے شوہر نے استقبال کیا۔ فاخرہ کے شوہر سے روبی کی آج پہلی بار ہی ملاقات ہو رہی تھی مگر...... شاید یہ ملاقات پہلی تھی ہی نہیں۔ یہ تو وہ ملاقات تھی جس نے اس کے اور شعیب کے ماضی کو ہی نہیں بلکہ حال کو بھی جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ بائیس چوبیس برس کا گزرا ہوا عرصہ کم تو نہیں ہوتا۔ بہت کچھ آنکھوں کے سامنے وقت کی دھول میں دھندلا جاتا ہے مگر وقت کی کتاب کے کچھ تلخ باب...... کڑوی یادوں کے ”بک

مارک“ بن کر وہیں اٹکے رہتے ہیں اور کسی بھی وقت کھل کر نظروں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ ماضی کی کتاب کا ایک یہ باب بھی وا ہو کر نظروں کے سامنے تھا۔ شعیب تو شاید نہیں پہچان پایا تھا مگر روبی تو اسد کو پہلی ہی نگاہ میں پہچان چکی تھی اور...... شاید اسد بھی...... کیونکہ روبی کی طرح اسد بھی اسے ہکا بکا نظروں سے تکے جا رہا تھا۔ روبی کے تو سان گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کی پرانی سہیلی اب اسد کی بیوی تھی۔ مگر روبی کے لیے صرف اس قدر ہی اذیت ناک شاک نہ تھا یہ جتنا...... کسی ڈراؤنی عفریت کی طرح منہ پھاڑے ایک اور حقیقت سامنے آن کھڑی ہوئی تھی اور وہ اس کے اپنے بیٹے احمد کی پسند تھی۔ کیونکہ اب روبی کے سامنے یہ حقیقت آشکار ہو جانے کے بعد کہ مصباح اسد کی بیٹی تھی تو اس لحاظ سے احمد کی وہ اب سوتیلی بہن تھی بلکہ باپ کے حوالے سے سگی بہن تھی۔ کسی الجھی ہوئی زنجیر کا ایک سرا پکڑ کر اسے سلجھانے کی کوشش کی جاتی تو نہ جانے روبی کے سامنے ہی نہیں، دنیا والوں کے سامنے بھی ایسی کس قدر کریہہ الوجود حقیقتیں آشکار ہونے لگتیں، جن کا تصور ہی روبی کے لیے سوہانِ روح تھا۔ اب وہ کیسے کسی کو بتاتی کہ وہ یہاں اپنے بیٹے کے لیے اس کی بہن کا رشتہ لینے آئی تھی؟ نعوذ باللہ......

یہ سب سوچتے ہوئے، روبی کو بڑے زور کا چکر آ گیا اور پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆☆☆

اس روز بات آئی گئی ہو گئی۔

روبی کی اچانک طبیعت کی خرابی نے رشتے کی بات ہی آگے نہ بڑھنے دی مگر کب تک......؟ احمد پھر اصرار کرنے لگا۔ روبی بری طرح تشویش اور ایک جاں گسل مخمصے میں پڑ گئی تھی۔ بیٹے کو حقیقت بتا کر باز رکھنے کی کوشش بھی کرتی تو کیسے......؟ اس کے لیے احمد کو یہ حقیقت بھی بتانا پڑتی کہ جس لڑکی سے وہ محبت کرتا ہے، اس کے باپ سے اس کی ماں کا حلالہ ہوا تھا۔ ایک جوان بیٹے کو یہ حقیقت بتانا روبی کے لیے ایسا ہی تھا جیسے اسے برہنہ کسی چوراہے پر کھڑا کر دیا گیا ہو۔ ظاہر ہے مصباح سے شادی سے باز رکھنے کے لیے بیٹے کو یہ حقیقت بتانا پڑتی۔

روبی چند دن تک تو بیٹے کو اپنی طبیعت کی خرابی کے بہانے پر ٹالتی رہی مگر آخر کب تک......؟ وہ سوچ سوچ کر پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ اب تو تشویش اور پریشانی اس کے چہرے سے چھپائے نہیں چھپتی تھی۔ وہ اس مسئلے کے حل کے لیے دن رات کیا ہر وقت سوچ بچار میں مصروف رہتی، جس کے باعث اس کا دماغ تک پگھلنے لگا تھا۔ ایک دن تو اس نے احمد کو اس کے دوبارہ اصرار پر بری طرح جھڑک بھی دیا۔ جس پر احمد بھونچکا رہ گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماں کو دیکھنے لگا کیونکہ آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس کی ماں نے کبھی اتنے زور سے اسے ڈانٹا ہو۔ انہوں نے تو کبھی اس سے سخت لہجے میں بات بھی نہ کی تھی، پھر آج......؟ اس کا احساس روبی کو بھی تھا۔ وہ ذہنی طور پر پریشان تھی۔

بالآخر اس گمبھیر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو نکالنا ہی تھا۔ شترمرغ کی طرح ریت میں منہ دبا کر معاملہ مزید گمبھیر صورت اختیار کر سکتا تھا...... لہٰذا پیہم سوچ بچار اور مسئلے کی تمام جزئیات پر اچھی طرح غور و خوض کرنے کے بعد روبی کے ذہن میں ایک حل سوجھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس نے اس پر فوری عمل کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔ اگرچہ یہ بھی اس کے لیے ایک کڑوا گھونٹ پینے کے مترادف ہی تھا لیکن اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اس ایک کڑوے گھونٹ کے پینے سے، ناسور کا علاج ہونا کسی حد تک ممکن نظر آ رہا تھا روبی کو۔

اس نے ایک روز کسی طرح فاخرہ سے باتوں کے دوران اگلوا لیا تھا کہ اس کا شوہر اسد آج کل کس کالج یا کوچنگ سینٹر میں پڑھا رہا ہے چنانچہ ناظم آباد میں واقع ایک کوچنگ سینٹر کا اسے پتا چلا، جدھر اسد صبح کی شفٹ میں پڑھایا کرتا تھا۔

وہ سیدھی مذکورہ سینٹر جا پہنچی۔ ایڈمن بلاک سے معلوم ہوا کہ اسد اس وقت ایک کلاس لے رہا تھا۔ وہ پندرہ منٹ میں فارغ ہونے والا تھا۔ اسے ویٹنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اسد اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر روبی کا دل جانے کس احساس تلے یکبارگی دھڑکا۔ وہ آج اسے پہلی بار بہ غور دیکھنے لگی۔ وہی فراخ پیشانی، جو کھلے دل کی غمازی کرتی تھی۔ نظر کے چشمے کے پیچھے جھانکتی خاموش آنکھیں، وہی چال مگر...... ایک شے بدل گئی تھی۔ وہ تھی اس کی گھنی مونچھوں تلے ہونٹوں کی ہلکی مسکراہٹ...... کبھی اس مسکراہٹ میں میٹھا پن ہوتا تھا مگر اب وہاں ایک تلخ گھونٹ بھرنے جیسا تاثر جھلکتا محسوس ہو رہا تھا۔ عمر نے اس کے بالوں کا رنگ بدل دیا تھا۔ مگر انداز و اطوار نہیں بدلے تھے۔ طبیعت میں فطری مضطربانہ پن اب بھی موجود تھا......

دونوں کے درمیان رسمی علیک سلیک ہوئی۔ روبی کو اسد کے انداز سے یوں لگا جیسے یہ سب اس کے لیے چونکنے کا سبب نہ ہو۔ اسے جیسے پہلے سے اس اچانک ملاقات کی توقع ہو۔

”جی...... آپ مجھ سے ملنے آئی ہیں...... خیریت؟“

وہ اس کے سیدھے ہاتھ والے صوفے پر دھنستے ہوئے بولا۔ پھر اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مگر بدقسمتی سے میں آپ کو زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا۔ ابھی دس منٹ بعد مجھے دوسری کلاس لینی ہے۔'' روبی کو اس کا رویّہ خشک اور قدرے روکھا محسوس ہوا۔ روبی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بات شاید طویل ہو مگر اسے دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ وقت کا زیاں ہی ہوگا۔ آپ تو جان ہی گئے ہوں گے کہ اس روز آپ کے ہاں میری طبیعت اچانک کیوں بگڑی تھی؟''

''ہاں! وجہ معلوم ہے مجھے۔'' اس نے بے پروا لہجے میں کہا۔

''آ...... آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کی بیٹی مصباح اور احمد کی شادی ہونا قطعی ناممکن ہے۔''

''کیوں......'' اسد نے رکھائی سے اور بہت مختصراً کہا۔

''مصباح اور احمد دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہنے لگے ہیں۔ یہ جانے بغیر کہ وہ دونوں بھائی بہن ہیں۔ چاہے سوتیلے سہی۔'' روبی نے اپنے تئیں جیسے انکشاف کیا اور اس کا ردِعمل دیکھنے کے لیے اسد کے سپاٹ پڑتے چہرے کے تاثرات کا بھی جائزہ لینے کی کوشش کی۔ مگر وہاں تو الجھن کی ایک سلوٹ، تشویش کی ایک رمق تک نہ ابھری۔

اس نے بدستور اسی سپاٹ پن سے کہا۔ ''ہاں ٹھیک ہے تو پھر اپنے بیٹے احمد کو یہ حقیقت بتا دیں۔''

روبی کے ہونٹ سوکھنے لگے۔ بہت ہمت مجتمع کر کے بولی۔ ''مم...... مگر...... احمد کو صرف اتنی ہی حقیقت بتانا کافی نہ ہوگا۔ اسے...... اسے اور بھی بہت کچھ بتانا پڑے گا، جو میں نہیں بتانا چاہتی اسے۔''

''اچھا......!'' اسد نے استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے ایک زہریلی مسکراہٹ اس پر نچھاور کی اور جانے کیوں روبی ایک لمحے کو اندر سے دہل کر رہ گئی۔

''یہ حقیقت...... اور بہت سی حقیقتیں تو آپ کو اپنے بیٹے کو بتانا پڑیں گی ہی۔'' وہ آگے بول رہا تھا۔ روبی کو اس کی آواز اس کا لہجہ، عناد بھرا اور خار کھایا محسوس ہو رہا تھا۔ کہاں تو ہر وقت وہاں اس کے لیے وارفتگی چاہت والفت کے جام چھلکتے رہتے تھے مگر اب وہاں زہریلی تلخی رچی ہوئی تھی۔ روبی کو یہ کہنے میں آج تک کوئی عار محسوس نہیں ہوا تھا کہ شعیب کے مقابلے میں اسد اس سے زیادہ محبت کرتا تھا، مگر پتا نہیں کیوں روبی نے شعیب کے سوا کسی کو لائقِ مائل، الفت سمجھا ہی نہ تھا۔ اپنی ساری کج رویوں اور کدورتوں کے باوجود...... شعیب کی جگہ وہ کسی اور کو نہ دے پائی تھی اور اسد سے محض ایک حد تک وہ متاثر تھی کہ وہ اس سے یکطرفہ اور بے لوث محبت کا دعوے دار تھا تو روبی نے کبھی اپنے دل و دماغ میں اس کے لیے ایسا کچھ نہیں محسوس کیا تھا۔

اس نے بڑے رسان سے کہا۔ ''اسد صاحب! آپ میری مجبوری یقیناً سمجھ رہے ہیں۔ میں یہ سب کچھ اپنے ایک جوان بیٹے سے نہیں کہہ سکتی۔ میں اس کی ماں ہوں اور ایک عورت بھی...... اور میں چاہتی بھی نہیں ہوں کہ احمد کو......''

''یہ پتا چلے کہ اس کے ماں باپ ماضی میں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر کس قدر شرمناک گل کھلا چکے ہیں۔''

بڑے زہریلے انداز میں اسد نے روبی کی بات کاٹ کر یہ زہریلا جملہ تھی کیا تھا جو پگھلے ہوئے سیسے کی طرح روبی کو اپنی مجروح سماعتوں میں اترتا محسوس ہوا تھا وہ تڑپ کر اور ملتجیانہ لہجے میں بولی۔

''پلیز، اسد صاحب! ایسا تو مت بولیے۔ ہم نے جو کچھ کیا تھا وہ جائز طریقے سے اور شریعت کے مطابق کیا تھا۔ کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔''

''اچھا!'' اسد نے نہایت تلخی سے کہا۔ ''تو پھر بتا کیوں نہیں دیتیں اپنے بیٹے کو یہ حقیقت؟''

روبی کو اسد سے ایسے رویّے کی بالکل توقع نہ تھی، وہ ٹوٹے ٹوٹے لہجے میں بولی۔

''اسد صاحب! ایک بار میں پہلے بھی آپ کے پاس پوری امید سے آئی تھی اور آپ نے مجھے خالی نہیں لوٹایا تھا۔ آج کئی برسوں بعد بھی میں آپ کے پاس اس امید سے آئی ہوں کہ آپ مجھے خالی نہیں لوٹائیں گے۔''

''اس امید کی وجہ جانتی ہیں آپ......؟''

اسد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے عجیب سے لہجے میں پوچھا...... تو روبی نے سر جھکا کے ہولے سے جواب دیا۔ ''ہاں......''

''صرف ہاں نہیں، روبینہ صاحبہ! صرف ایک جملے میں میرا جواب مکمل کریں۔''

''آ...... آپ کو مجھ سے شدید محبت تھی۔'' روبی نے بالآخر اٹکتے اٹکتے کہا تو اس نے اسد کو ایک گہری زخمی پُرآزار اور حسرت زدہ سی سانس لیتے دیکھا۔

''اب آپ کیا چاہتی ہیں مجھ سے؟''

''صرف اتنا۔'' روبی امید بھرے لہجے میں بولی۔ ''اسد صاحب! آپ کوئی بھی وجہ بتائے بغیر اس رشتے سے انکار کر دیں۔ آپ گھر کے سربراہ ہیں۔''

''یہ کام تم بھی کر سکتی ہو۔''

''میں ایسا کر سکتی تو آپ کے پاس کیوں آتی؟ میں انکار کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ فقط آپ ہی ایسا کر سکتے ہیں جبکہ میں اپنے بیٹے کی نظروں کے سامنے خود کو مجرم نہیں بنانا چاہتی۔''

''تو میں کیسے اپنی بیٹی مصباح کی نظروں میں مجرم بن جاؤں؟''

''اسد صاحب! آپ جانتے ہیں کہ یہ شادی نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک گناہ ہوگا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیٹی آپ ہی کے بیٹے سے......'' روبی کہتے کہتے رکی۔ شرمندگی کے انتہائی احساس تلے وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر پائی تو کچھ پُرسکون ہو کر بولی۔

''احمد آپ ہی کا بیٹا ہے...... یہ صرف میں جانتی ہوں اور شعیب بھی......'' روبی کا خیال تھا کہ اس کے منہ سے یہ انکشاف سن کر اسد تڑپ اٹھے گا، چونک پڑے گا مگر اس کے سرد و سپاٹ رویّے پر جوں تک نہ رینگی تھی۔

کچھ ٹھہر کر وہ آگے بولی۔ ''آپ مرد ہیں۔ آپ کا کہنا اور بات ہوگی بلکہ میں آپ سے التجا کروں گی اسد صاحب کہ آپ اپنی بیٹی مصباح اور فاخرہ کو حقیقت بتائے بغیر اس رشتے سے ہی صاف انکار کر دیں۔ فقط اتنا کہہ دیں آپ کو یہ رشتہ اپنی بیٹی کے لیے پسند ہی نہیں۔'' ملتجیانہ انداز میں یہ بات کہنے کے بعد وہ اسد کے چہرے کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''یاد ہے آپ کو روبینہ صاحبہ! آج سے کئی سال پہلے میں نے بھی آپ سے ایک التجا کی تھی۔ بہت ٹوٹ کر منت کی تھی تمہاری اور بڑے عاجزانہ انداز میں تمہارے آگے ہاتھ بھی جوڑے تھے میں نے کہ پلیز روبی! مجھے مت چھوڑو مگر تم نہایت سفاکی کے ساتھ......''

''میں اس سلسلے میں پہلے ہی آپ کو اعتماد میں لے چکی تھی۔ آپ کی وہ ضد بچوں جیسی اور بے معنی تھی۔''

روبی نے فوراً اس کی بات کاٹ کر کہا تو اسد نے فوراً کھڑے ہوتے ہوئے رکھائی سے کہا۔ ''سوری! میری کلاس کا وقت ہو گیا ہے، میں اب چلوں گا۔''

روبی بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور بڑے منت آمیز اور ملتجیانہ لہجے میں بولی۔ ''پلیز...... اسد صاحب! میں آپ کے پاس بڑی امید لے کر آئی تھی۔ ایسا مت ہونے دیں۔ پہلے بھی آپ نے مجھے ایک کڑے امتحان سے نکالا تھا، آج پھر میرے سر پر کڑا امتحان ہے۔''

''میں دوسری بار قربانی کا بکرا نہیں بن سکتا۔ تمہیں خود یہ حقیقت اپنے بیٹے کو بتانا ہوگی۔''

''میں شرم سے مر جاؤں گی۔'' روبی ٹوٹ کر بولی مگر اسد کمرے سے نکل چکا تھا۔

☆☆☆

روبی کو اسد سے اس بے رخی اور سرد مہری کی بالکل توقع نہ تھی۔ وہ پہلے بھی اس امید سے اس کے پاس آئی تھی، جب حلالہ ہونے کے لیے اس نے اسد سے مدد چاہی تھی اور اسے یقین تھا کہ اسد اس سے دیوانہ وار محبت کرتا ہے۔ وہ انکار نہیں کرے گا اور ہوا بھی ایسا ہی تھا مگر اس بار تو اسد نے اس کی التجا کو ٹھکرا دیا تھا۔ روبی ازحد پریشان اور ذہنی طور پر ہیجانی کیفیت میں مبتلا تھی۔ کچھ دن اور گزرے۔ اس نے دوبارہ ایک آخری امید کے سہارے اسد سے اس بار سیل فون پر رابطہ کیا جو اس نے احتیاطاً اس روز کوچنگ سینٹر سے حاصل کر لیا تھا۔

''آپ تو مجھ سے محبت کے بڑے دعوے دار تھے اسد صاحب! تو کیا وہ سب محض جھوٹ تھا جسے وقت کی دھول نے مٹا ڈالا؟'' روبی نے اسے ایک حوالے سے جوش دلایا تو دوسری جانب سے اسد کی پھر وہی زہریلی آواز ابھری۔

''اوہ...... تو گویا آپ ایک بار پھر میری یکطرفہ محبت کو اپنی غرض پہ قربان کر کے ''کیش'' کرانا چاہتی ہیں روبینہ صاحبہ!''

''اس میں صرف میری نہیں آپ کی غرض بھی شامل ہے، اسد صاحب!'' روبی بولی۔ ''کیا آپ چاہیں گے کہ آپ کی بیٹی آپ ہی کے بیٹے......'' کہتے کہتے روبی نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تو اسد نے بے پروائی سے کہا۔

''میں ایسا کیوں چاہوں گا بھلا...... میں تو مصباح کو یہ حقیقت بتا سکتا ہوں۔''

''اسے مت بتایئے گا، پلیز...... اس راز کو راز میں ہی رہنا چاہیے ورنہ میں ساری عمر اپنے جوان بیٹے سے نظریں نہیں ملا سکوں گی۔''

''اوہ...... تو ثابت ہو گیا نا...... کہ اس میں صرف آپ کی غرض شامل ہے، میری قطعاً نہیں۔''

''اسد! تم مجھ سے واقعی محبت کرتے تھے...... جس کی خاطر تم نے قربانی بھی دی تھی، میرے لیے؟'' روبی نے اچانک پوچھ لیا تو دوسری جانب دم بھر کے لیے پُرسوچ خاموشی طاری رہی پھر اسد نے کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ

منقطع کر دیا۔ روبی یکدم تشویش آمیز بے چینی کا شکار ہو گئی۔ اس نے دوبارہ اس کا نمبر ری ڈائل کیا مگر دوسری جانب سے اس کا سیل آف تھا۔

روبی کا ذہنی خلجان فزوں تر ہونے لگا۔ ایک طرف اسے اس بھیانک اور کریہہ آمیز راز کے آشکار ہونے کا جاں گسل خوف تھا تو دوسری طرف اسے اپنے بیٹے احمد کی بھی فکر تھی کہ جب اسے حقیقت کا علم ہوگا جس لڑکی کو وہ جی جان سے پسند کرتا ہے وہ اس کی کبھی بھی بیوی نہیں بن سکتی تو...... آگے سوچ کر ہی وہ ہلکان ہو جاتی تھی کہ جانتی تھی، محبت کرنے والے...... بے منزل ہو جائیں تو ان کی مثل زندہ لاش کی سی ہو جاتی ہے۔ روبی گویا اب دہری تہری مشکل اور پریشانی کا شکار تھی۔ کبھی کبھی اسے یوں لگتا تھا جیسے اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ ایک عذاب مسلسل تھا جس میں وہ مبتلا تھی۔ سوچ سوچ کر وہ ادھ موئی ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

احمد اور مصباح بری طرح کھٹک گئے تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ...... بہ ظاہر صاف اور سیدھی نظر آنے والی صورتِ حال میں یہ اچانک کیسی نامعلوم سی گمبھیرتا گھل گئی تھی کہ ان کے اٹوٹ ملن کی متوقع سہل دکھائی پڑتی راہیں...... بے وجہ رکاوٹ کا کیوں شکار ہونے لگی تھیں؟ اب تک دونوں کے سامنے یہ بات تو واضح ہو ہی چکی تھی، ان کے رشتے کی پیش رفت کے سلسلے میں دونوں طرف کے خاندانوں کو کوئی اعتراض نہ تھا مگر پھر اچانک...... درمیان میں یہ ڈیڈلاک کیوں پیدا ہو گیا تھا؟ احمد کو زیادہ حیرانی تھی کیونکہ اس سہل پڑتی راہ کا ''اٹکاؤ'' اس کی ممی کی طرف سے پیدا ہو رہا تھا۔

مصباح نے اس روز بڑی تشویش آمیز بے چینی سے احمد کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا تھا۔

''آخر تمہاری مما...... کیوں لیت و لعل کا شکار ہیں؟ ایسی کیا وجہ ہو گئی ہے احمد......؟''

''میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا...... مصباح! مما نے رشتے پر اچانک کیوں خاموشی اختیار کر لی ہے۔'' احمد بھی الجھن آمیز پریشانی سے بولا۔

''وہ تمہاری مما ہیں احمد!'' مصباح نے پُرزور لہجے میں کہا۔ ''کیا تم نے ان سے ٹال مٹول کرنے کی وجہ دریافت نہیں کی ابھی تک......؟''

''وہ یہی کہتی ہیں کہ ان کی ابھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ فقط ''ہاں'' ہی تو کرنی ہے، کسی بھی وقت تمہارے ہاں آ کر کر دیں گی وہ......''

''نہیں احمد! معاملہ کچھ اور ہے۔'' مصباح نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔ ''مجھے...... مجھے تو لگتا ہے انہیں یہ رشتہ ہی پسند نہیں ہے۔''

''ایسا مت کہو مصباح!'' احمد اس کی بات سن کر یکدم تڑپ کر بولا۔ ''مما کو ہر لحاظ سے تم اور یہ رشتہ پسند ہے اور پھر مما میری پسند کو ہی فوقیت دیتی ہیں مگر پتا نہیں......''

''پھر تمہیں آنٹی سے اس پراسرار خاموشی کی وجہ پوچھنا ہی پڑے گی احمد!''

''ہاں مصباح! بہت ہو چکا۔ اس بار اگر مما نے مجھے ٹالنے کی کوشش تو میں مما سے بازپرس تو ضرور کروں گا۔'' احمد نے اٹل لہجے میں کہا۔

☆☆☆

روبی...... ٹی وی لاؤنج میں موجود تھی۔ ٹی وی پر اس کی پسند کا ایک ٹاک شو چل رہا تھا مگر اس کا دھیان اور دماغ کہیں اور تھا۔ محض دکھاوے کی خاطر یا اپنا دھیان بٹانے کی خاطر وہ ٹی وی کے آگے بیٹھی تھی۔ باوصف اس کے...... پریشان کن سوچوں کی یلغار اس کے دل و دماغ کو جکڑے رہتی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے احمد سے بھی اب کترانے لگی تھی مگر کب تک......

''مما! میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' معاً بیٹے کی آواز پر وہ چونکی۔ نگاہیں بہ ظاہر اس کی ایل سی ڈی پر تھیں مگر خود وہ سوچوں کے گرداب میں غوطہ زن تھی۔

''آؤ...... آؤ بیٹا! کیسے ہو؟'' بیٹے کو دیکھ کر روبی نے اپنی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے بظاہر مسکرا کر کہا۔

احمد بہ غور ماں کے چہرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ تاہم خاموشی سے ان کے ساتھ والے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے بولا۔ ''مما! کیا بات ہے، آپ کی جب سے مصباح کے ہاں جا کر اچانک طبیعت بگڑی ہے، میں محسوس کر رہا ہوں کہ پھر نہیں سنبھل سکی ہے۔ آپ شاید کسی ٹینشن کا شکار رہنے لگی ہیں؟''

بیٹے کی بات روبی کے لیے بلاشبہ غیر متوقع تھی کیونکہ وہ یہی سمجھی تھی کہ احمد اس سے مصباح کے سلسلے میں بات پکی کرنے کا اصرار دہرائے گا۔ روبی ایک بار پھر جیسے خود کو بیٹے کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوا محسوس کرنے لگی۔ بات بناتے ہوئے بولی۔

''نہیں بیٹا! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی میرا بلڈ پریشر بہت لو ہو جاتا ہے۔ یہ میری پرانی بیماری ہے۔''

احمد نے بہ دستور ماں کے چہرے پہ نظریں مرکوز رکھتے ہوئے اصل بات کہہ ڈالی۔ ''مما!...... مصباح کے

سلسلے میں بات پکی کرنے کا آخری مرحلہ ہم لوگوں کی طرف سے اٹکا ہوا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا...... ہے کہ...... آپ ان کے ہاں جانے سے یوں اچانک کترانے لگی ہیں۔ کوئی وجہ ہے تو پلیز مما!...... اب پہلے مجھے وہ وجہ بتائیں۔''

بیٹے کی بات پر روبی نے متوحش ہو کر اس کے چہرے کی طرف بہ غور دیکھا تھا۔ بیٹے کے چہرے کے تاثرات بھانپ کر ایک لمحے کو وہ بھی اندر سے دہل سی گئی تھی۔ وہ کب تک وجہ بتائے بغیر محض ایک معمولی سی بیماری کا بہانہ بنا کر بیٹے کو ٹالتی رہے گی مگر آج تو بیٹے کے تیور ہی اور نظر آ رہے تھے۔ وہ مصباح کے ہاں جانے پر آج بضد ہونے کے بجائے وہاں جانے سے کترانے کا عذر جاننے پر مصر تھا۔

روبی کو اندر سے اپنا وجود کانپتا ہوا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بیٹے کی بات کا کیا جواب دے؟ جواب تو تھا مگر وہ شاید قیامت تک یہ جواب بیٹے کو نہیں دے سکتی تھی جبکہ بیٹا آج حتمی ارادہ کیے ہوئے تھا۔

''یا اللہ! میری مدد فرما...... میں کیا کروں......؟'' روبی نے دل ہی دل میں دعا کی تھی کہ اچانک اس کے سیل فون کی بیل گنگنائی۔ اسکرین پر اسد کا نام دیکھ کر وہ بری طرح ٹھٹکی۔ پھر بیٹے کی طرف دیکھا۔ کچھ سوچ کر اس نے سیل فون اپنے کان سے لگا کر ہیلو کہا۔ اس کا دل جیسے رک رک کر دھڑکنے لگا۔ دوسری جانب سے اسد کی آواز ابھری۔

''روبی! تم شعیب کے ساتھ آ جاؤ ہمارے ہاں...... تمہاری خواہش کے مطابق میں اس رشتے سے نہ صرف انکار کر دوں گا بلکہ اس راز کو بھی راز میں رکھوں گا تاکہ تمہیں اپنے جوان بیٹے کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔''

اسد کے ان الفاظ نے جیسے روبی کے تن مردہ میں جان ڈال دی۔

''تھینک یو...... سو مچ...... ایکسٹریملی سو تھینکس......'' وہ اتنا ہی کہہ پائی۔ دوسری جانب اسد نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ روبی کو ایک تسلی ہو گئی تھی۔ اب وہ اپنے بیٹے کو مثبت جواب دینے کی پوزیشن میں تھی۔ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''ہاں بیٹا! تم کچھ کہہ رہے تھے؟''

''مما! میں پوچھ رہا تھا، آخر آپ مصباح کے گھر جانے سے کیوں کترا رہی ہیں؟''

''ارے نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اب میں بالکل بھلی چنگی ہو گئی ہوں۔ جب کہو کے تم...... چلے چلیں گے۔''

ماں کی بات سن کر احمد کا پژمردہ سا چہرہ یکدم کھل اٹھا۔ وہ بچوں جیسی مسرت کے ساتھ اٹھ کر ماں کی طرف بڑھا اور جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دے دیا۔ ''تھینک یو سو مچ...... مما! آئی لو یو...... میں ابھی یہ خوش خبری، مصباح کو سناتا ہوں۔''

وہ خوشی سے بے قرار ہوا جا رہا تھا اور سیل فون جیب سے نکال کر اپنے کمرے کی طرف دوڑا۔ وہ یہ نہ دیکھ سکا تھا کہ اس کی ماں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

روبی کو بیٹے کی اس دیدنی حد تک خوشی دیکھ کر ترس آنے لگا۔ دکھ کا ایک غبار تھا جو روبی کے اندر سے ہوک بن کر اٹھ رہا تھا۔ وہ بیٹے کا خوشی سے کھلتا دمکتا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ مگر خود اندر سے دکھی ہو رہی تھی کہ بیٹا نہیں جانتا تھا وہ جس بات پر بے پایاں خوشی محسوس کر رہا ہے وہ بہت جلد دھواں بن کر اڑ جانے والی تھی۔ ایک ماں کی حیثیت سے روبی کو بیٹے کی خوشی...... ایک ناختم ہونے والے غم میں بدلنے پر جو دکھ اور قلق ہوگا...... اسے بھلا ایک ماں سے زیادہ اور کون سمجھ پائے گا۔ روبی کو اب ایک فکر سے آزادی ملی تو اس غم نے اسے جکڑ لیا کیونکہ وہ احمد کو بہرحال غم زدہ نہیں دیکھ سکتی تھی، مگر...... وہ بے بس تھی، تقدیر کے آگے۔ اندر گھٹ کر ہی رہ گئی تھی، تاہم احمد کے مسرور ہو کے وہاں سے جانے کے بعد اس نے اسد کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اسے ایک آخری فون کرنا ضروری سمجھا۔

رابطہ ہوتے ہی بولی۔ ''اسد صاحب! میں آپ کی تہ دل سے مشکور ہوں......''

''اس کی ضرورت نہیں۔ آپ کب آ رہی ہیں؟'' اس نے کہا۔ لہجہ نارمل تھا۔

''شاید کل ہی آ جاؤں......'' وہ بولی۔ ''ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟''

''پوچھیں۔''

''جس طرح مجھے اپنے بیٹے احمد سے محبت ہے، بالکل اسی طرح یقیناً آپ کو بھی اپنی بیٹی مصباح سے محبت ہوگی۔ لہٰذا آپ کا رشتے سے انکار جس سے ظاہر ہے، میں بھی سو فیصد متفق ہوں ہمارے بچوں کے لیے کس قدر دکھ کا باعث بنے گا۔ وہ دونوں بے چارے ٹوٹ کر رہ جائیں گے۔ مجھے ڈر ہے...... کک...... کہیں وہ ایک دوسرے کی دائمی جدائی میں کوئی ایسا ویسا قدم نہ اٹھا لیں۔ اس کے بارے میں آپ نے کبھی کچھ سوچا ہے؟''

روبی نے اپنی بات ختم کی تو دوسری جانب چند ثانیوں تک خاموشی طاری رہی۔ روبی سوچنے لگی۔ اس نے

شایدایک ایسی فضول بات اسد سے پوچھ لی تھی جس کا جواب اس کے پاس بھی نہ تھا۔ وہ ابھی معذرت ہی کرنے والی تھی کہ دوسری جانب سے اسد کی آواز ابھری......

''روبی! تم اپنے بیٹے اور میری بیٹی مصباح کی خوشی کی بات کرتی ہو، مجھے تو تمہاری خوشی عزیز ہے۔ بے فکر رہو اسد کی محبت یکطرفہ اور نامراد سہی...... مگر وہ تمہیں کبھی بھی غمزدہ نہیں ہونے دے گی، کبھی نہیں......''

اسد نے بڑے عجیب سے لہجے میں یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا اور...... روبی مارے حیرت کے گنگ سی رہ گئی۔

☆☆☆

مقررہ وقت پر روبی...... مصباح کے گھر پہنچی۔ شعیب پہلے آچکا تھا۔ اس بار نہیں آسکا تھا لہٰذا روبی کے ہمراہ احمد ہی چلا آیا تھا۔ روبی ذہنی طور پر شدید دباؤ اور دکھ کا شکار تھی۔ احمد کے چہرے سے پھوٹی پڑتی دیدنی حد تک خوشی ایک ماں کے لیے باعثِ آزار تھی جو نہیں جانتا تھا کہ یہ خوشی عارضی تھی۔

بہرطور فاخرہ اور اسد نے ان کا بڑی خوش دلی سے استقبال کیا۔ روبی کن انکھیوں سے اسد کے چہرے کا بھی جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ روبی کو جانے کیوں ایک عجیب سا اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔

اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد جب رشتے کی بات ہونے لگی تو روبی نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر کہا۔

''ہمیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اب آپ اپنا عندیہ دے دیں تو بات آگے بڑھائی جاسکے۔'' یہ کہہ کر وہ ان دونوں کے چہروں کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس کے اور اسد کے درمیان ہونے والے ایک خاموش اور خفیہ معاہدے کے تحت اسد کو اس رشتے سے بغیر کوئی عذر بتائے انکار کر دینا تھا۔ فاخرہ نے پہلے اپنا اثباتی عندیہ دے کر شوہر کی طرف دیکھا۔ روبی کی بے چین نگاہیں اسد کے چہرے پہ جمی ہوئی تھیں۔ وہاں سے وہ انکار کی منتظر تھی، اسد نے ہولے سے کھنکھار کر کہا۔

''مجھے بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔ احمد اچھا لڑکا ہے اور مجھے پسند ہے بلکہ مجھے یقین ہے، احمد اور مصباح دونوں مستقبل میں ہنسی خوشی زندگی گزاریں گے۔ اس لیے مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے...... میری طرف سے بھی ہاں سمجھا جائے۔''

اسد کے منہ سے خلافِ توقع اثباتی جواب سن کر...... روبی کا چہرہ فق ہوگیا۔ وہ پھٹی پھٹی اور غیر یقینی نگاہوں سے اسد کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے یکلخت یوں محسوس ہونے لگا، جیسے اسد اس سے کسی پرانی عداوت کا انتقام لے رہا ہو۔ ظاہر ہے، اس کا اس رشتے پر انکار کے بجائے اقرار کا جواب روبی کے لیے غیر متوقع ہی نہیں سوہانِ روح بھی تھا۔ ایسا کہہ کر اسد نے کیا اسے اپنے ہی بیٹے احمد کی نظروں کے سامنے گرانا چاہا تھا کہ وہ چیخ پڑے اور بالآخر اپنے منہ سے کہہ ڈالے کہ...... یہ رشتہ نہیں ہوسکتا...... کیونکہ...... اس کا بیٹا احمد اور مصباح...... دونوں بھائی بہن ہیں اور اس کی وجہ کیا تھی......

روبی کا سارا وجود پسینے سے شرابور ہوگیا، اسے چکر آنے لگے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور پھر وہ صوفے پر بیٹھے بیٹھے ڈھے گئی۔

☆☆☆

ہوش آنے پر اس نے خود کو ہنوز وہیں ایک بیڈ پر پایا۔ یہ اسد کا ہی گھر تھا۔ ایک ڈاکٹر اسے دیکھ کر جاچکا تھا۔ کمرے میں کوئی نہ تھا۔ وہ متوحش سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔ ٹھیک اس وقت اسد اندر داخل ہوا۔ وہ اسے دیکھتے ہی غصے سے پھٹ پڑی۔

''دھوکے باز...... تت...... تم نے مجھے بیٹے کے سامنے ذلیل کرنا چاہا تھا...... تو پھر مجھ سے......''

''شش...... آہستہ...... برابر والے کمرے میں سب موجود ہیں۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' اسد نے ہولے سے مسکرا کر کہا اور چند قدم اٹھاتا ہوا اس کے بیڈ کے قریب آگیا۔ ''میں نے کہا تھا نا...... روبی کہ مجھے تمہاری خوشیاں عزیز ہیں۔ اب یہ حقیقت بھی جان لو کہ مصباح میری بیٹی نہیں ہے۔ وہ فاخرہ کی بیٹی ہے۔ کیا تم بھول گئیں کہ فاخرہ نے جب تمہارے شوہر شعیب کا کوچنگ سینٹر جوائن کیا تھا تو وہ مطلقہ ہی نہیں بلکہ ایک ننھی منی بیٹی کی ماں بھی تھی۔ یہی مصباح تھی جو اس کے پہلے شوہر سے تھی اگر یقین نہیں آتا تو فاخرہ سے تم اس کی تصدیق کرسکتی ہو، ورنہ تم بھی اتنا جانتی ہو کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں بھلا ایسے رشتے پر اقرار کرکے...... اتنے بڑے شرمناک گناہ کا مرتکب ہوسکتا تھا؟ کبھی بھی نہیں...... ہاں البتہ فاخرہ کی بیٹی احمد سے عمر میں کچھ بڑی ہے۔ اگر چاہو تو انکار کردو...... اس سبب پر نہ تو تمہیں کوئی شرمندگی ہوگی اور نہ مجھے۔''

یہ کہہ کر اسد خاموشی سے پلٹ گیا...... اور...... روبی کے سارے وجود میں طمانیت و خوشی کی لہر سی دوڑ گئی۔

''مجھے یہ رشتہ منظور ہے...... اپنے بیٹے کی خوشیوں کو ایک بے بنیاد اعتراض کی وجہ سے تباہ نہیں کرنا چاہتی۔'' جاتے ہوئے اسد کو پکارتے ہوئے روبی نے جلدی سے کہا۔